جذبۂ دعوت کی آبیاری

کیوں اور کیسے؟

محمد اقبال ملّا
سکریٹری شعبۂ دعوت، جماعت اسلامی ہند

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۱۳۳۱
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : جذبۂ دعوت کی آبیاری۔ کیوں اور کیسے؟
مصنف : محمد اقبال ملّا
صفحات : ۵۶
اشاعت : اگست ۲۰۱۴ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : -/۲۸ روپے
ناشر : **مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز**
ڈی۔۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۷۱۶۵۲، ۲۶۹۵۴۳۴۱ فیکس: ۲۶۹۴۷۸۵۸
E-mail : mmipublishers@gmail.com
Website : www.mmipublishers.net
مطبوعہ : اصیلہ آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی۔۲

JAZBA-E-DAWA'T KI ABIYARI
KEUN AUR KAISE? *(Urdu)*
By: Muhammad Iqbal Mulla
Pages: 56
Price:₹28.00

ترتیب

پیش لفظ	۵
جذبۂ دعوت کی آبیاری	۷
جذبۂ دعوت	۱۰
جذبۂ دعوت کن کے اندر پیدا کرنا ضروری ہے؟	۱۱
دعوت۔ مسلمانوں کی ذمے داری	۱۲
کتمانِ حق سے بچنا ضروری	۱۹
دعوت کی فضیلت و برکت	۲۴
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی تڑپ	۲۸
طائف کا واقعہ	۲۸
صحابۂ کرام کا جذبۂ دعوت	۳۱
دعوت اور خدمتِ خلق	۳۶
دعوت سے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ	۴۱
پہلی غلط فہمی	۴۲
دوسری غلط فہمی	۴۲

تیسری غلط فہمی	۴۴
چوتھی غلط فہمی	۴۴
پانچویں غلط فہمی	۴۵
جذبۂ دعوت پروان چڑھانے کے لیے عملی تدابیر	۴۷
دعوتِ دین سے اقامتِ دین تک	۵۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مسلمانوں پر جہاں یہ لازم ہے کہ وہ اسلام کا صحیح فہم حاصل کریں، اس پر عمل کریں اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں، وہیں بہ حیثیت 'خیر امت' ان پر یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں تک اسے پہنچائیں۔ اللہ کے جو بندے گم راہیوں میں پڑے ہوئے ہیں اور اس سے محروم ہیں انھیں ان سے نکال کر اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میں لائیں۔ یہ ان گم کردہ راہ انسانوں سے ہم دردی اور خیر خواہی کا تقاضا بھی ہے اور ان کی دینی ذمہ داری بھی۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے اس فریضۂ منصبی سے پوری طرح غافل ہے۔ انھیں اپنی اس ذمے داری کا بالکل شعور نہیں ہے۔ دوسرے انسانوں کی طرح وہ بھی دنیا کی رنگینیوں میں مست ہیں۔ انھیں نہ اس کا جائزہ لینے کی فرصت ہے کہ ان کے عقائد و اعمال شریعت سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں اور ان کی زندگی اسلام کی تعلیمات کے مطابق گزر رہی ہے یا نہیں اور نہ ٹھہر کر یہ جائزہ لینے کے لیے تیار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کے سلسلے میں ان پر جو ذمہ داری عائد کی تھی وہ ادا کر رہے ہیں یا نہیں۔ یہ کتاب مسلمانوں کو ان کی اس ذمے داری کی یاددہانی کی ایک کوشش ہے۔

کتاب کے شروع میں دعوت کی اہمیت اور ضرورت سے بحث کی گئی ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں مسلمانوں کو ان کی ذمے داری یاد دلائی گئی ہے اور ان کے اندر دعوت کا جذبہ ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کرام کی زندگیوں کے بعض سبق آموز واقعات پیش کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ان کے اندر دعوت کی

سچی تڑپ پائی جاتی تھی جو انھیں ہر وقت بے چین رکھتی تھی۔ ایک بحث دعوت اور خدمتِ خلق کے عنوان سے ہے۔ اس کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام میں خدمتِ خلق پر بہت زیادہ ابھارا گیا ہے اور خدمت خلق کا دعوت سے گہرا تعلق ہے۔ خدمتِ خلق کی سرگرمیوں سے دعوت کی راہ آسان ہوتی ہے۔

دعوت کے سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا تذکرہ کر کے ان کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جذبۂ دعوت پروان چڑھانے کی عملی تدابیر بتائی گئی ہیں اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ دعوت دین کا آخری مرحلہ اقامتِ دین ہے۔ اللہ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دعوتی میدان میں جدو جہد کی جائے اور اللہ کے تمام بندوں تک اس کا پیغام پہنچایا جائے۔

دعوتِ دین کے معاملے میں مسلمانوں کی اکثریت کا ذہن صاف نہیں ہے۔ امید ہے، اس کتاب کے ذریعے ان کی ذہن سازی میں مدد ملے گی اور اس سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیاں دور ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کا فائدہ عام کرے اور اس کے اجر سے نوازے۔

انه سميع مجيب۔

محمد رضی الاسلام ندوی

۲۰/رجب ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰/مئی ۲۰۱۴ء سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند

نئی دہلی

جذبۂ دعوت کی آبیاری

دعوت سے مراد 'دعوتِ دین یا دعوت اسلام' ہے۔ یہ دعوت بندوں کو اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی اختیار کرنے اور اس پر قائم رہنے کی ہے۔ وطنی بھائیوں (غیر مسلم باشندوں) کے سامنے صرف اتنی دعوت پیش کرنی کافی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کریں۔ اس لیے کہ بندگی رب کا مفہوم بہت وسیع اور ہمہ جہت ہے۔ انھیں توحید، رسالت، آخرت، بندگی اور عبادت کے اسلامی تصورات اور تقاضوں کو سمجھانا ضروری ہوگا۔ اس کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی مواقع پر دعوتی گفتگو میں دلائل کی روشنی میں شرک کی تردید بھی بہت ضروری ہے۔ دعوت کا کام کرنے والے باصلاحیت افراد کو موقع ملے تو اوتار واد اور آواگون کے جن مذہبی تصورات کو وطنی بھائی مانتے ہیں، دلائل کی روشنی میں داعیانہ حکمت اور دردوسوز کے ساتھ ان کی تردید کی جانی چاہیے۔ ان کے سامنے آخرت میں ابدی انجام جنت یا جہنم کا تذکرہ بھی ہونا چاہیے۔ برادرانِ وطن کے جو مذہبی تصورات ہیں ان کے لیے ان کے پاس عقلی اور منطقی دلائل نہیں ہیں۔ ان کی سب سے بڑی دلیل بالعموم یہ ہوتی ہے کہ ان کے آباء واجداد ان تصورات کو مانتے تھے، اس لیے وہ بھی مانتے چلے آرہے ہیں۔

دعوت کا کام بظاہر اس وضاحت کی روشنی میں مشکل محسوس ہوسکتا ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی دعوت کا کام آسان اور ممکن ہے۔ اسلام عقلی اور فطری دین ہے۔ اس دین میں آنکھیں بند کر کے کسی عقیدے کو ماننے کی تعلیم نہیں دی گئی ہے۔ دلائل پر غور وفکر اور مرنے

کے بعد اپنے انجام کی فکر کرنے، عقل وبصیرت اور دلیل وحکمت کی بنیاد پر قبول یا انکار کرنے کی آزادی پائی جاتی ہے۔ ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جن لوگوں میں دعوت کا کام کرنا ہے وہ خود حق اور سچائی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ وہ حق کے پیاسے ہیں اور خدا کو پانا چاہتے ہیں۔ اسلام کے تعلق سے ان کے اندر مختلف اسباب کی بنا پر غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان غلط فہمیوں کو دور کرنا بھی دعوت کا کام ہے۔ ہمارے وطنی بھائیوں کو اپنی غلط فہمیوں پر اصرار نہیں ہے۔ جب ان کے سامنے حقائق پیش کیے جاتے ہیں تو ان کی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔ وہ اسلام کے تعارف اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کو پسند بھی کرتے ہیں۔ وہ صاف طور پر اقرار کرتے ہیں کہ انھیں اسلام کے بارے میں غلط باتیں بتائی گئی تھیں۔ وہ قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان کو اسلام کی دعوت سے محروم رکھنا موجودہ دور میں مسلمانوں کا ایک جرم ہے، جس کی تلافی کسی دوسری تدبیر سے ہرگز ممکن نہیں ہے۔

جس امت کو دعوت دین کے لیے برپا کیا گیا ہے وہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی سے بالعموم غافل ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے فرائض سے شغف الحمدللہ مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، لیکن فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے وہ جذبہ اور تڑپ بالعموم ان کے اندر موجود نہیں ہے۔

مولانا جلیل احسن ندویؒ نے دعوت کا جامع تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ابوداؤد کی ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا: نوع انسانی کے تمام افراد آپس میں حقیقی بھائی ہیں، کیوں کہ وہ سب ایک باپ اور ماں (آدم وحوا) سے پیدا ہوئے ہیں۔'' اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: و انا علی ذٰلك شهيد یعنی میں اس پر گواہ ہوں، میں اس کا اعلان کرتا ہوں ـــ اور اسی حقیقت کا اعلان حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایرانی سپہ سالار رستم اور اس کے فوجی کمانڈروں کے سامنے کیا۔ انھوں نے سب سے پہلے ایرانیوں کی غلط فہمی دور کی، فرمایا: ہم تاجر لوگ نہیں ہیں، ہمارا مقصد اپنے لیے نئی منڈیاں تلاش کرنا نہیں ہے، ہمارا نصب العین دنیا نہیں ہے، بلکہ آخرت ہے، صرف آخرت! ہم حق کے علم بردار ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو بلانا ہمارا مطمح نظر ہے۔ یہ سن کر رستم نے کہا: وہ دین حق کیا ہے؟ اس کا تعارف کراؤ۔ تب مغیرہؓ نے فرمایا: اما

عمودها الذی لایصلح شیء منه الّا به. فشهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله، یعنی ہمارے دین کی بنیاد اور مرکزی نقطہ، جس کے بغیر دین کا کوئی جز ٹھیک نہیں ہوتا، یہ ہے کہ آدمی اس حقیقت کا اعلان کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ (مطلب یہ کہ توحید کو اپنائے اور محمد ﷺ کی قیادت اور رہ نمائی تسلیم کرے) ایرانی سپہ سالار نے کہا: یہ تو بہت اچھی تعلیم ہے۔ کیا اس دین کی کچھ اور بھی تعلیم ہے؟ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا: و اخراج العباد من عبادة العباد الی عبادة الله ''اس دین کی تعلیم یہ بھی ہے کہ انسانوں کو انسان کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں لایا جائے۔'' ایرانی سپہ سالار نے کہا: یہ بھی اچھی تعلیم ہے، کیا تمہارا دین کچھ اور بھی کہتا ہے؟ حضرت مغیرہؓ نے کہا: ہاں ہمارا دین یہ بھی کہتا ہے: والناس بنو آدم. فهم اخوة لاب و ام۔ یعنی تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں، پس وہ سب کے سب آپس میں بھائی ہیں، سگے بھائی، ایک ماں باپ سے پیدا۔

یہ ہے اس دین کی بنیادی تعلیم جو مغیرہؓ نے پیش کی۔ اور اسی سپہ سالار کے سامنے حضرت ربعی بن عامرؓ نے اپنے مقصد کی ترجمانی ان الفاظ میں کی:

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الی عبادة الله، و من ضیق الدنیا الی سعتها. و من جور الادیان الی عدل الاسلام، فارسلنا بدینه الی خلقه لندعوهم الیه۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:۷، ص:۳۹)

''اللہ نے ہم کو اس بات پر مامور کیا ہے کہ خدا جن کو توفیق دے انھیں ہم انسانوں کی بندگی سے نکالیں اور اللہ کی بندگی میں داخل کریں، اور دنیائے تنگ سے نکال کر وسیع و کشادہ دنیا میں لائیں اور ظالمانہ نظام ہائے زندگی سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف کے سایہ میں بسائیں۔ پس اللہ نے ہمیں اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کے پاس بھیجا ہے، تاکہ ہم لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلائیں۔''

ہم نے یہ طویل اقتباس البدایہ سے، دو باتیں سامنے لانے کے لیے پیش کیا ہے، ایک یہ کہ اسلام میں صلہ رحمی کا دائرہ پوری نوع انسانی پر پھیلا ہوا ہے، دوسری اہم بات وہ ہے جس کا اعلان حضرت ربعی بن عامرؓ نے کیا ہے، یعنی امت مسلمہ کی 'بعثت' کا مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکالے اور اسلام کا نظام عدل قائم کرے،

تاکہ ظلم وجور کی ماری ہوئی دنیا نظام عدل کے سایہ میں امن سکون سے رہ سکے۔

یہی عادلانہ نظام ہے جو نبی ﷺ کی پیغمبرانہ قیادت اور صحابۂ کرامؓ کی ۲۳ سالہ جاں فشانیوں کے نتیجہ میں قائم ہوا تھا، جسے خلافتِ راشدہ کا نام دیا گیا ہے، جسے دوسرے لفظوں میں نوعِ انسانی کا محافظ ادارہ کہیے۔'' (سفینۂ نجات،ص:۱۶۹۔۱۷۰)

جذبۂ دعوت

جذبۂ دعوت کے ساتھ اس کے محرک رضاء الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ یہ پاکیزہ اور طاقت ور محرک صرف اس مادی دنیا ہی میں نہیں، بلکہ موت کے بعد ابدی زندگی میں کام یابی اور نجات کی ضمانت دیتا ہے۔ جذبۂ دعوت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان اسلام کو قولاً اور عملاً وطنی بھائیوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے اپنے اندر سچا جذبہ پیدا کریں اور عملاً اس پر کاربند ہو جائیں۔ ان سے ان کے دوستانہ اور خیرخواہانہ تعلقات قائم ہوں۔ وہ کوشش کریں کہ ان سے خاندانی سطح پر بھی روابط ہوں۔ دعوت کی گفتگو اور دعوتی کام محض زبان کا مشغلہ بن کر نہ رہ جائے۔ دعوت کا کام ان کی پوری عملی زندگی پر چھا جائے۔ ان کی تمام سرگرمیوں اور جدوجہد کا مرکز اور محور کار دعوت بن جائے۔ جذبۂ دعوت اور دعوت کی عملی جدوجہد میں مسلمان ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے سرگرم عمل ہوں۔ زندگی کے آخری سانس تک دعوتی کام ان کے ذہن وقلب پر چھایا رہے۔ دعوت محض فکر وخیال کی چیز نہ ہو، بلکہ اسے فریضہ سمجھ کر انجام دیں۔

مسلمانوں کی شناخت محض ایک کمیونٹی یا لسانی گروہ کی سی نہ ہو، بلکہ اپنی دعوتی سرگرمیوں کے نتیجے میں وہ ایک داعی گروہ کی حیثیت سے جانے جائیں۔ وہ ایک ایسی داعی جماعت بنیں جس میں شامل افراد خدا پرست اور خدا ترس ہوں اور انسانوں سے بے پناہ محبت کرتے ہوں۔ یہ داعی جماعت انسانوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کا بھرپور جذبہ اور تڑپ اپنے اندر رکھتی ہو۔

مسلمانوں کو اس بات کا شدید احساس ہونا چاہیے کہ اگر وہ دعوت پہنچانے میں غفلت اور کوتاہی برتیں گے تو اس کے نتیجے میں خدانہ خواستہ وطنی بھائیوں کو آخرت میں جہنم کی آگ کا

شدید خطرہ لاحق ہوگا، لیکن خود وہ بھی خدا کی باز پرس اور گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ جذبۂ دعوت کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے اندر باشندگان ملک کی خیر خواہی کا جذبہ پیدا کریں اور ان کی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کے لیے فکر مند ہوں۔

مسلمانوں کو اپنی تمام تنظیموں، اداروں، جماعتوں اور سیاسی و غیر سیاسی اجتماعی سرگرمیوں میں دعوت کو مرکزی اہمیت دینا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں ان کی کوششوں میں روح اور حقیقی قوت پیدا ہوگی، خدا کی نصرت اور تائید انھیں حاصل ہوگی، دنیوی کام یابی اور اخروی فلاح و نجات کے حصول میں وہ بامراد ہوں گے۔

جذبۂ دعوت کن کے اندر پیدا کرنا ضروری ہے؟

دعوت دین کی ذمہ داری کسی خاص دینی جماعت، ادارے یا صرف علمائے کرام ہی کی نہیں ہے، بلکہ یہ ذمہ داری ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین پر عمل کرتے ہوئے، اپنی اصلاح اور تربیت کے ساتھ ساتھ وطنی بھائیوں میں دعوت کو پیش کرنے کا فریضہ ادا کرے۔ ہر مسلمان خود بھی داعی بنے، لیکن دعوت دین کی ذمہ داری کا حق ادا کرنے کے لیے وہ ضروری سمجھے کہ اس کی بیوی بچے اور خاندان بھی داعی بنے۔

درج ذیل زمروں کے افراد کو اپنے اندر جذبۂ دعوت پیدا کرنا چاہیے۔

- ہر فرد کو اپنے اندر انفرادی طور سے۔
- اپنے گھر اور خاندان کے اندر اجتماعی طور پر۔
- مسلمانوں کے اندر ملی حیثیت سے۔
- مسلم تنظیموں/ اداروں/ جماعتوں کے قائدین، کارکنان اور وابستگان کے اندر۔
- دعوتِ حق پر لبیک کہنے والوں کے اندر۔

دعوت ۔ مسلمانوں کی ذمّے داری

مسلمانوں کا منصبی فریضہ کارِ دعوت ہے۔ اس کو زندگی کا مشن بنانے کے لیے جذبۂ دعوت اور دعوت کے لیے عملی جدوجہد ضروری ہے۔ اس کے لیے دعوتی کام کا فطری ذوق ہونا چاہیے۔ اس منصبی فریضے کو انجام دینے اور دعوتی کام کو اپنی زندگی کا مشن بنانے کے لیے جذبۂ دعوت بے حد ضروری ہے۔ اس دنیا میں مسلمانوں کی سربلندگی، عظمت اور قدر و قیمت فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے بعد ہی ممکن ہے۔ اس سے غفلت اور لاپروائی کے سبب وہ اپنے زوال اور مسائل سے دوچار ہوں گے۔

دعوت کی اس عظیم ذمہ داری کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن میں خیرامت، امت وسط، شاھدًا للناس (انسانوں پر گواہ) داعی الی اللہ، انصار اللہ اور حزب اللہ وغیرہ خطابات سے نوازا ہے۔ کارِ دعوت کی ذمہ داری قرآن وحدیث کی تعلیمات، اسوۂ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے مبارک زندگیوں سے ثابت ہے۔

اس ضمن میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہماری مکمل رہنمائی کرتی ہیں:

(الف) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ: ۱۴۳)

”اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا ہے، تا کہ تم سارے انسانوں کے لیے دین حق کے گواہ بنو اور ہمارے رسول تمہارے لیے گواہ ہوں۔“

(ب) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ (آل عمران:۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہو۔''

(ج) هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۗ مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرٰهِيْمَ ۗ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ (الحج:۷۸)

''اس نے تمہیں منتخب فرما لیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تا کہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔''

اس عنوان پر قرآنی آیات بہت زیادہ ہیں۔ بطور نمونہ چند آیات اور ان کے ترجمے درج کیے گئے ہیں۔ دعوت کی عظیم ذمہ داری کا احساس اور اللہ کے بندوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی تڑپ رسول اکرم ﷺ کو کس قدر تھی۔ اسے قرآن ہی کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ:۱۲۸)

''لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر انتہائی شاق ہے۔ تمہاری ہدایت کا وہ انتہائی حریص ہے اور مومنوں کے لیے انتہائی شفیق اور مہربان۔''

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۗ (فاطر:۸)

''پس اے نبی ﷺ تمہاری جان ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے۔''

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَسَفًا ۝

(الکہف:٦)

''شاید اس رنج و غم میں آپ اپنے کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔ اگر یہ لوگ اس کلام ہدایت پر ایمان نہ لائیں۔''

قرآنی آیات کے بعد چند احادیث پر غور فرمایئے۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور فرمایا:

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سارے انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم لوگوں کو پہنچاؤ۔‘‘ (سیرت ابن ہشام: ۴/ ۲۷۸-۲۷۹)

دوسری حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے:

’’میری طرف سے پہنچاؤ، اگر چہ تمہیں ایک آیت پہنچی ہو۔‘‘ (بخاری)

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

’’اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت میں سے جو شخص بھی چاہے یہودی ہو یا عیسائی میری دعوت کو سنے اور اس دین پر جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں ایمان لائے بغیر مر جائے وہ یقیناً دوزخی ہوگا۔‘‘ (مسلم)

یعنی قیامت تک دنیا کے تمام انسان، خواہ ان کا تعلق کسی بھی عقیدہ اور مذہب سے ہو، ایک اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی امت میں داخل ہیں۔ مسلمانوں پر اتنی بڑی اور عظیم ذمہ داری ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں تک دعوت پہنچائیں، تا کہ وہ سن کر اور سمجھ کر اپنی آزادانہ مرضی سے قبول یا انکار کریں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

’’آپ صرف اتنا کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم نے خدا کو اور اس کے دین کو مان لیا، بلکہ جب آپ نے خدا کو اپنا خدا اور اس کے دین کو اپنا دین مانا ہے تو اس کے ساتھ آپ پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، جن کا شعور آپ کو ہونا چاہیے اور جن کے ادا کرنے کی فکر آپ کو ہونی چاہیے۔ اگر آپ انہیں ادا نہ کریں گے، تو اس کے وبال سے نہ دنیا میں چھوٹ سکیں گے اور نہ آخرت میں۔ وہ ذمہ داریاں کیا ہے؟ وہ صرف یہی نہیں ہیں کہ آپ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، حج کریں اور زکوٰۃ دیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ معاملات میں اسلام کے مقرر کیے

ہوئے ضابطے پر عمل کریں بلکہ ان سب کے علاوہ ایک بڑی اور بہت بھاری ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ آپ تمام دنیا کے سامنے اس حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں جس پر آپ ایمان لائے ہیں۔ مسلمان کے نام سے قرآن میں آپ کو ایک مستقل امت بنانے کی جو واحد غرض بیان کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ تمام بندگان خدا پر شہادت حق کی حجت پوری کریں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

''اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔''

یہ آپؐ کی امت کا عین مقصد وجود ہے جسے آپ نے پورا نہ کیا تو گویا اپنی زندگی ہی اکارت گنوادی۔ یہ آپ پر خدا کا عائد کیا ہوا فرض ہے، کیوں کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ: ۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خدا کی خاطر اٹھنے والے اور ٹھیک ٹھیک راستی کی گواہی دینے والے بنو۔''

اور یہ نرا حکم ہی نہیں، بلکہ تاکیدی حکم ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (البقرہ: ۱۴۰)

''اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بھی بتادیا ہے کہ اس فرض کو انجام نہ دینے کا نتیجہ کیا ہے؟ آپ سے پہلے اس گواہی کے کٹہرے میں یہودی کھڑے کیے گئے تھے، مگر انھوں نے کچھ تو حق کو چھپایا اور کچھ حق کے خلاف گواہی دی اور فی الجملہ حق کے نہیں، بلکہ باطل کے گواہ بن کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے انھیں دھتکار دیا اور ان پر وہ پھٹکار پڑی کہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرۃ: ۶۱)

''ذلت وخواری، پستی و بدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔''

(شہادت حق ،ص:٦، ٧)

مولانا محمد یوسف اصلاحی فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ نے اپنی پرسوز پیغمبرانہ کوششوں اور گم راہ بندوں کی احمقانہ حرکتوں کو ایک بلیغ تمثیل میں یوں بیان فرمایا ہے:

''میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب آس پاس کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا تو کیڑے پتنگے اس پر گرنے لگے اور وہ شخص پوری قوت سے ان کیڑوں پتنگوں کو آگ سے روک رہا ہے، لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوششوں کو ناکام بنائے دے رہے ہیں اور آگ میں گر رہے ہیں۔ (اسی طرح) میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے پڑ رہے ہو۔''

(داعی اعظم ،ص:٥٠، ٥١)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کو دعوت دین کی ذمہ داری کے بارے میں سمجھایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۝ (الفرقان:٥٦)

''آپ کو ہم نے محض اس لیے بھیجا ہے کہ آپ انجام نیک کی خوش خبری سنائیں اور انجام بد سے ڈرائیں۔''

لیکن ان تمام تسلیوں کے باوجود آپ کا حال یہ ہے کہ آپ خدا سے بھٹکے ہوئے نادان انسانوں کی ہدایت کے لیے گھلے جاتے ہیں اور آپ کے فکر واضطراب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ گم راہی سے بچانے اور ہدایت کی طرف بلانے کا شوق، تڑپ اور ولولہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق جب آپ اپنے چچا ابو طالب کو بستر مرگ پر دیکھتے ہیں تو احساس فرض اور شوق ہدایت سے بے تاب ہو کر سوز میں ڈوبی ہوئی، دل گیر آواز میں دھیرے سے کہتے ہیں: چچا جان آپ اب بھی کلمۂ توحید پڑھ لیجیے، میرے کان ہی میں آہستہ سے کہہ دیجیے۔ اگر آپ اس وقت بھی کلمۂ توحید کا اقرار کرلیں تو خدا کے حضور میں بھری عدالت میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔

آخری حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں اونٹنی پر سوار ہوکر تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے عظیم اجتماع کو یقین واذعان اور جوش وجذبے کی پوری قوت سے خدا کے احکام بتاتے اور ہدایتیں دیتے ہیں، لیکن ذمہ داری کے احساس کا یہ حال ہے کہ لوگوں سے پوچھتے ہیں، کہ کل قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچادیا یا نہیں؟) لوگو! ذرا مجھے جواب دو، اس وقت تم کیا کہو گے؟ مجمع نے ایک آواز ہوکر کہا ''خدا کے رسولؐ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچادیا۔ آپؐ نے رسالت کا حق ادا کردیا۔ آپؐ نے کھرے کھوٹے کی خوب خوب نصیحت فرمادی۔'' مجمع کی اس اجتماعی شہادت اور فضا کو لرزاں کر دینے والی اجتماعی آواز سے بھی آپؐ کو تسکین نہ ہوئی اور آپؐ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے لوگوں کی طرف جھکائی اور فرمایا (اے خدا! سن تیرے بندے کیا کہتے ہیں) خدا! تو اپنے بندوں کی گواہی پر گواہ رہنا، پھر فرمایا: خدایا! تو اپنے بندوں کی گواہی پر گواہ رہنا۔ پھر تیسری بار فرمایا: خدا! تو اپنے بندوں کی گواہی پر گواہ رہنا۔ خدایا! یہ صاف صاف اقرار کررہے ہیں کہ میں نے ٹھیک ٹھیک تیرا دین لوگوں کو پہنچادیا۔

اور ایک بار آپ کو احساس فرض نے پھر جھنجھوڑا کہ نہ معلوم امت کے کتنے افراد اب بھی موجود نہ ہوں اور ان تک آپ کی بات نہ پہنچ سکے تو آپ نے حاضرین کو وصیت فرمائی: ''جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ ان تمام لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں، میری باتیں پہنچادیں۔''

اور یہ آپ کی اسی شدت احساس کا طفیل ہے کہ چودہ سو سال سے برابر یہ پیغام ان کروڑوں انسانوں کو پہنچ رہا ہے جو اس دن عرفات میں موجود نہ تھے۔

(دعوت کی) ذمہ داری کے شدید ترین احساس کی جو مثال محمد عربی ﷺ نے پیش کی اس سے پہلے نہ آسمان کی آنکھ نے کبھی دیکھا اور نہ اولاد آدم نے کبھی سنا اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے۔'' (داعی اعظمؐ ص: ۵۶، ۵۷)

قرآن کی ان آیات، احادیث رسول ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ سے واضح ہے کہ فریضۂ دعوت اصلاً اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اپنی امت کے لیے رسول خدا ﷺ کا حکم ہے۔ ہم

سب اس بات سے واقف ہیں کہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور ہمارے اسلاف نے اس حکم پر کس طرح عمل کیا اور دعوت کی راہ میں کس طرح قربانیاں دیں۔

جذبۂ دعوت اور دعوتی جدوجہد کی ضرورت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آج کے دور میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ قومی سطح پر میڈیا، اسلام دشمن عناصر اور مختلف ذرائع ابلاغ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مسلسل غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پھیلا رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے وطنی بھائیوں اور مختلف طبقات میں اسلام کی شبیہ اچھی نہیں بن رہی ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یہ انتہائی بے غیرتی اور بے حمیتی کی بات ہوگی کہ ہم مجرمانہ خاموشی اختیار کریں یا غفلت اور لاپروائی کا رویہ اختیار کریں۔ کیا ہم اپنی شخصی اور خاندانی زندگی میں ایسی صورت حال کو لمحہ بھر برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں؟ ہرگز نہیں! اس لیے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو برادران وطن کے سامنے مثبت انداز میں پیش کرنا ضروری ہے، تاکہ ان کی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں دور ہوں۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب ہمارے اندر جذبۂ دعوت بیدار ہو اور ہم دعوت کو دینی فریضہ سمجھیں۔

دعوتی جدوجہد کی ضرورت کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ مسلمان بالعموم اپنے وطنی بھائیوں کے ساتھ ساتھ خود بھی سماجی و اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ان کے اپنے مسائل (ملی مسائل) کچھ کم سنگین نہیں ہیں۔ مجموعی طور پر بگاڑ اور فساد میں اضافہ ہوتا ہی جا رہا ہے۔ اگرچہ دینی جماعتیں مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کے لیے مسلسل کوششیں کر رہی ہیں۔ ان میں سے بعض جماعتوں کا دائرہ کار ملت سے آگے بڑھ کر سماج اور ملک تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن ان تمام مخلصانہ کوششوں کے باوجود بگاڑ اور فساد کے تھم جانے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس سماج اور ملک میں شرک، مادہ پرستی، عیش پسندی اور خدا اور آخرت سے غفلت عام ہو وہ بڑی بڑی خرابیوں سے کیسے بچ سکتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ آج ایک ہمہ گیر بگاڑ اور فساد کی وجہ سے خدانخواستہ اللہ کا عذاب آ جائے تو مسلمان خود کو اس سے کیسے بچا سکیں گے۔ اس پوری صورت حال کا علاج کیا ہے؟ کیا مسلمان محض تعلیمی تحریکات چلائیں، معاشی فلاح و بہبود کی اسکیمیں ترتیب دیں، سیاسی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے لائحۂ عمل تیار کریں؟ لیکن ان تمام کوششوں کے

تھوڑے ہی فائدے حاصل ہوں گے، البتہ سماج اور ملک کی صورت حال نہیں بدلے گی۔ دعوت ہی اس کا حقیقی حل ہے۔ دعوت کی جو بنیادیں ہیں: توحید، رسالت، آخرت اور ان کے تحت کچھ قدریں ہیں: تکریم اور عظمت انسان، مساوات اور انسانی برابری، عورت اور مرد کے تعلق سے عادلانہ تصورات، انسانی حقوق کی حفاظت اور پاس داری اور ہر فرد کے لیے امن سلامتی وغیرہ وہ انسان کو اندر سے بدل کر ایک نیا انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہیں۔ چنانچہ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد ﷺ نے عرب میں انتہائی بگاڑ اور فساد کے حالات میں ایک نیا انسان، نیا خاندان، نیا معاشرہ اور ایک نیا نظام، دعوت کی بنیاد پر قائم کر دیا۔

کتمان حق سے بچنا ضروری

آج دنیا میں صرف مسلمان ہی وہ گروہ ہیں جن کے پاس خالص حق پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں بالخصوص اس ملک کے باشندے دین حق سے محروم ہیں۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ مسلمان بحیثیت داعی اس کا حقیقی شعور نہیں رکھتے۔ برادران وطن کو اللہ تعالیٰ نے دیگر انسانوں کی طرح دین حق کی فطرت پر پیدا کیا، وہ دین حق سے محروم ہیں، لیکن متنفر نہیں ہیں، کیوں کہ ان کی اصلی فطرت شرک اور کفر کے باوجود پوری طرح مسخ نہیں ہوئی ہے۔ اب تک کے دعوتی تجربات بتاتے ہیں کہ ان کے اندر بے شمار سعید روحیں دین حق کی تلاش میں ہیں۔ ان کے سامنے جب دین حق کا تعارف کرایا جاتا ہے تو وہ اپنی فطرت کے اس مطالبے کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کوئی باپ اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ دین حق کو چھپایا نہ جائے اور اس میں مداہنت نہ برتی جائے، بلکہ دین کا مکمل اور جامع تعارف ان کے سامنے کرایا جائے، نیز قبولیت حق کے لیے ان کو دعوت دی جائے۔ مسلمانوں کے پاس یہ بہت بڑی امانت ہے، جسے ان تک پہنچانا امانت داری کا تقاضا ہے۔ اگر مسلمان اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو پھر ان تک دین حق آخر کون پہنچائے گا؟ اس کام کے لیے آسمان سے ملائکہ کی جماعت آئے گی نہ ہی کوئی نئی مخلوق پیدا کی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ مسلمان جتنی جلد اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے تیار ہوں گے، ان کے حق میں اتنا ہی اچھا ہے، ورنہ

وہ کتمان حق کے مجرم قرار پائیں گے۔ اگر مسلمان اسلام کی عالم گیر اور آفاقی حیثیت اور اس کے مکمل نظام حیات نیز مسائل کا واحد اور حقیقی حل ہونے اور اخروی نجات کی حیثیت کو چھپاتے ہیں تو جرم عظیم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اس ضمن میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات پر غور فرمائیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرۃ:۱۵۹-۱۶۰)

''جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، درآں حالے کہ ہم انھیں سب انسانوں کی رہ نمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں، ان کو میں معاف کردوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔''

مولانا سید جلال الدین عمری فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دین کو بغیر کسی کمی بیشی کے انسانوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن جو دین آپ کو خدا کی طرف سے ملا تھا وہ جوں کا توں باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اب یہ اس دین کے ماننے والوں کی ذمہ داری ہے کہ اسے دنیا والوں کے سامنے پیش کریں۔ اگر وہ اس فرض کو ادا کر رہے ہوں تو خدا کے محبوب ٹھہریں گے اور اگر اسے انھوں نے بھلا دیا ہے تو خدا کی پکڑ سے کوئی چیز انھیں بچا نہیں سکتی۔ قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ شہادت علی الناس کی ذمہ داری محمد ﷺ کے بعد آپ کی امت پر رہے گی اور اسے وہ کام انجام دینا ہوگا جو محمد ﷺ نے انجام دیا ہے۔ آپ نے جس طرح امت کے سامنے اللہ کے دین کی شہادت دی اسی طرح اس امت کو دوسروں کے سامنے اس کی گواہی دینی ہوگی:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ:۱۴۳)

''اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر (حق کے) شاہد بنو اور رسول تم پر شاہد بنیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ قوموں کی قسمت اس امت سے وابستہ ہے۔ وہ دین کی شہادت کا فرض انجام دے کر ان کی ہدایت کا سامان فراہم کرسکتی ہے۔ اس سے وہ اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوگی اور خدا کے یہاں بے پایاں اجر وثواب کی مستحق ٹھہرے گی، لیکن اگر اس سے غفلت برتے تو دنیا کی گم راہی کے لیے اس سے باز پرس ہوگی اور ڈر ہے کہ بڑی سخت باز پرس ہوگی، لیکن افسوس امت اپنی اس عظیم ذمہ داری کو بھول چکی ہے۔ شاید اس کو اس کا احساس تک نہیں ہے۔

ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے اس امت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

أنتم شهداء الله في الأرض۔ (بخاری ومسلم)

''تم زمین میں خدا کے گواہ ہو۔''

یہ اس بات کا اعلان ہے کہ یہ امت خدا کی طرف سے حق کی شاہد ہے، یہ اسی کی ذمہ داری بھی ہے کہ لوگوں کو یہ بتائے کہ کون سی راہ خدا تک پہنچانے والی ہے اور کون سی راہ خدا سے دور کرنے والی ہے؟ حق کیا ہے اور باطل کیا؟ کون صراط مستقیم پر گام زن ہے اور کس نے ضلالت کی راہ اختیار کر رکھی ہے؟ یہ امت خدا کے دین کی امین ہے، کیوں کہ خدا کے آخری رسولؐ نے اس کے دین کو اسی امت کے حوالے کیا ہے۔ اسی کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کو دوسروں تک پہنچائے۔ اگر اس نے یہ کام نہ کیا تو پھر دنیا میں یہ کسی طرح انجام نہ پاسکے گا۔ یہی بات ہے جسے محمد ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب مشرکین مکہ اس امت کو ختم کرنے کے ارادے سے میدان بدر میں جمع ہوئے تھے: ''اے اللہ اگر اہل اسلام کا یہ گروہ ختم ہوجائے گا تو پھر زمین میں تیری پرستش نہ ہوگی۔'' (مسلم) (اسلام کی دعوت، ص:۵۹-۶۰)

مولانا کی یہ تحریر بھی قابل غور ہے:

’’ آپ خدا کے نزدیک صرف اسی وقت اپنی ذمہ داری سے سبک دوش قرار پائیں گے جب آپ دنیا سے اس حال میں جائیں کہ خدا کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچا چکے ہیں۔ اس وقت دینِ حق صرف آپ کے پاس ہے۔ اگر آپ نے اس کی شہادت نہ دی تو دنیا ہمیشہ کے لیے اس سے محروم رہے گی اور اس محرومی کا وبال آپ کو بھی اٹھانا پڑے گا۔ ایسی شکل میں قیامت کے روز خدائے تعالیٰ آپ کے بارے میں دنیا والوں سے پوچھے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس میرا نازل کردہ دین تھا اور جو میری ہدایت کے حامل تھے۔ انھوں نے اس سے تمھیں آگاہ کیا تھا یا نہیں؟ آپ کی غفلت کی وجہ سے دنیا والے یہی جواب دیں گے کہ خدایا! تیرے دین کے حامل سوئے ہوئے تھے اور ہمیں گم راہی میں چھوڑ رکھا تھا۔ انھوں نے ہمارے ساتھ خیر خواہی نہیں کی اور تیرا دین ہم تک نہیں پہنچایا۔ آپ کے بارے میں ان کا یہ جواب بالکل صحیح جواب ہوگا۔ اس سے آپ پر انسانیت کو تباہ کرنے کا الزام ثابت ہو جائے گا اور آپ کسی طرح اپنے جرم کو چھپا نہیں سکیں گے۔ پھر بتائیے، وہ کون سی چیز ہے جو آپ کو اس وقت خدا کی گرفت سے محفوظ رکھے گی۔ آج آپ کو اپنے اس جرم کی سنگینی کا احساس نہیں ہے، ورنہ آپ کی راتوں کی نیند اڑ جاتی اور دن کا سکون ختم ہو جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص سے جو اس کی وفاداری کا دعویٰ کرے یہ کام لینا چاہے گا کہ وہ گم راہ انسانوں کو اس کی راہ دکھائے۔ اس لیے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ ہماری اور آپ کی مستقل ذمہ داری ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ اس احساس سے ہمیں شب و روز بے چین رہنا چاہیے کہ انسان خدا کی ہدایت کے تابع ہو جائے۔ دعوت کا کام ٹھیک اسی ڈھنگ سے انجام پا سکتا ہے جس طرح خدا کے پیغمبروں نے اسے انجام دیا ہے۔ اس کے لیے وہی خلوص، وہی محبت اور وہی دردمندی چاہیے جو خدا کے پیغمبروں میں ہوتی تھی۔ اسے ہماری زندگی کا بہترین مصرف اور ہماری جدوجہد کا حقیقی مقصد بن جانا چاہیے۔ اس وقت دنیا اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ آیئے، خدا کے نور سے بھر دیں۔ لیکن یہ کام صرف فرصت کے اوقات میں کرنے کا نہیں ہے، بلکہ یہ کام ہمارا پورا وقت اور ہماری پوری

توجہ چاہتا ہے۔اس کے لیے ہم اپنے دوسرے کاموں کو چھوڑ دیں، لیکن دوسرے کسی بھی کام کے لیے غافل نہ ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کام کو ہم جو اہمیت دیتے ہیں، اس کے لیے تگ و دو کرتے ہیں۔اگر دعوت کا یہ کام ہماری تمام مصروفیات میں مقدم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم اس سے غافل نہیں ہیں۔لیکن اگر دوسری مصروفیات نے ہمارے اوقات کو اس طرح گھیر رکھا ہے کہ ہم اس کام کے لیے کوئی وقت نہیں نکال پاتے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' (اسلام کی دعوت، ص:۶۱-۶۲)

دعوت کی فضیلت و برکت

دعوت کی عظمت اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسی ایک کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار رسولوں اور نبیوں کو دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف زمانوں میں بھیجا۔ یہ رسول اور انبیاء اپنے زمانے میں تمام انسانوں میں سب سے بڑھ کر سچے، پاکیزہ سیرت وکردار اور سب سے بزرگ ہوتے تھے۔ اپنی اعلیٰ درجے کی سیرت اور زبردست قائدانہ صلاحیتوں اور بے پناہ خلوص وللّٰہیت کے ساتھ دعوت کے لیے اپنا سب کچھ جھونک دیتے تھے۔ آخری رسول حضرت محمد ﷺ داعی اعظم اور داعی کامل ہیں۔ انسانوں کی بے پناہ خیرخواہی کے جذبے کے ساتھ اور ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے آپ اتنے حریص اور فکرمند ہوتے تھے کہ اللہ کی طرف سے بار بار آپ کو تسلی دی گئی کہ آپ کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ ایمان وہدایت کی دولت سے نوازنا آپ کے قدرت واختیار میں نہیں ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(یونس:۲۵)

''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر یعنی جنت کی طرف دعوت دیتا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔''

حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں تو اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے والا ہوں اور ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔'' (طبرانی، الجامع الصغیر)

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ○ (الفرقان:۵۲)

''پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ان کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو۔''

غزوۂ خیبر کا واقعہ دعوت کی فضیلت کے تعلق سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ یہ جھنڈا کل میں ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ دوسرے دن آپ نے حضرت علیؓ کو بلا کر یہ جھنڈا عطا فرمایا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: تم ان کے پاس جاؤ اور انھیں اسلام کی دعوت دو، خدا کی قسم اگر اللہ تیرے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت فرمادے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (بخاری، مسلم) عرب میں سرخ اونٹ سب سے قیمتی مال سمجھا جاتا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا، اس کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اس ہدایت کی پیروی کی، بغیر اس کے کہ پیروی کرنے والوں کے اجر میں سے کچھ کم کیا جائے اور جس نے گم راہی کی طرف دعوت دی اس کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا ان لوگوں پر جنہوں نے اس گم راہی کی پیروی کی بغیر اس کے کہ گم راہی کی پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔ (مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

''جو یہاں موجود ہے وہ اسے ان لوگوں تک پہنچادے جو موجود نہیں ہیں۔''

اس فقرے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ اپنی امت کے لیے آپؐ کی وصیت تھی۔'' (بخاری)

حضرت ربیع بن انسؒ (تابعی) فرماتے ہیں:

''جو شخص رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرے اس پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ جس طرح رسولؐ نے دین کی دعوت دی اسی طرح وہ بھی دعوت دے، جس کتاب کے ذریعہ آپؐ نے لوگوں کو ڈرایا تھا، اس کے ذریعے وہ بھی خدا کے عذاب سے ڈرائے۔''

(تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۲۶)

مکہ میں ایک موقع پر سرداران قریش کے سامنے اپنے چچا ابو طالب کو مخاطب کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! میں ان سے ایک ایسے کلمہ کو قبول کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں، جس کو اگر یہ لوگ مان لیں تو تمام عرب ان کے تابع فرمان ہو جائیں گے اور عجم کے لوگ ان کو جزیہ ادا کرنے لگیں گے۔

دعوت کی فضیلت اور خیر و برکت دنیوی اور اخروی زندگی دونوں کے لیے ہے۔ دنیوی برکتوں کے سلسلے میں دیکھیں کہ قرآن کس طرح رہنمائی کرتا ہے:

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ (ہود: ۳)

''اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ مدت خاص تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا، لیکن اگر تم منہ موڑتے ہو تو میں تمہارے حق میں ایک بڑے ہول ناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

حضرت نوحؑ اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ۙ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ۭ (نوح: ۱۰-۱۲)

''میں نے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمہیں مال و اولاد سے نوازے گا، تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔''

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○

(الاعراف:٩٦)

''اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ (پرہیز گاری) کی راہ پر چلتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔مگر انھوں نے تو جھٹلایا، لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انھیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔''

ان آیات میں دعوت کے نتیجے میں دنیاوی کام یابیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جو فرد اور انسانی گروہ دعوت کو قبول کر کے اللہ کی اطاعت و بندگی کا راستہ اختیار کر لے اور اپنے گناہوں کی بخشش کی طلب کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مادی خوش حالی، ترقی اور اولاد کی نعمت سے نوازے گا۔ ایک مدت تک سامان زندگی عطا فرمائے گا۔ نیز آسمان اور زمین کی برکتوں سے ان کو مالا مال کر دے گا۔ اسی کے ساتھ دعوت کو جھٹلانے کا انجام بھی بتلا دیا۔

دعوت کی برکتوں کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ انسان اپنے اور دوسروں کے لیے امن و سلامتی، راحت وسکون اور عدل و انصاف چاہتا ہے ۔ اسی طرح ہر انسان فطری طور پر ظلم و ناانصافی، استحصال، جنگ وفساد اور قتل و غارت گری ناپسند کرتا ہے۔ قرآن، حدیث اور سیرت رسول ﷺ سے نہایت واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دعوت کے بغیر یہ عظیم مقاصد انسانیت کو اپنی تاریخ میں کبھی نہیں حاصل ہو سکے اور نہ آئندہ کبھی حاصل ہو سکتے ہیں۔

آج بھی جب کہ تمام انسانی نظریات، افکار وفلسفے اور انسانوں کے بنائے ہوئے مذاہب ان مقاصد کے حصول میں مکمل طور پر ناکام ہیں۔ ان مقاصد کا تعلق عالمی انسانی برادری، اس کے تحفظ و بقا اور ارتقا سے ہے، دعوت اسلامی ان کے حصول کی ضمانت دیتی ہے۔ اسی طرح دعوت کی سیاسی فتوحات اور کام یابیوں کی ایک روشن تاریخ ہے۔ اس سلسلے کے واقعات کو طوالت کے خوف سے حذف کیا جا رہا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی تڑپ

طائف کا واقعہ

مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دیتے ہوئے دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ گیارہویں سال حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کا انتقال ہو چکا تھا۔ مکہ میں آپؐ اور دعوت کی شدید مخالفت کا سلسلہ جاری تھا۔ ان ہی حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ طائف پہنچ کر وہاں کے سرداروں کے سامنے اپنی دعوت کو پیش کریں۔ آپؐ نے یہ سفر پیدل ہی طے کیا تھا۔ اس سفر میں حضرت زیدؓ آپ کے ساتھ تھے۔ طائف ایک خوش حال بستی تھی۔ اس بستی میں ایک بڑا قبیلہ ثقیف رہتا تھا۔ طائف پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ ثقیف کے سرداروں سے اپنا تعارف کرایا اور اسلام کی دعوت پیش کی۔ سرداروں کے نام عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ ان تینوں نے نہایت حوصلہ شکن برتاؤ کیا، دعوت کو سختی سے رد کر دیا اس کے علاوہ اپنے لڑکوں اور غلاموں کو آپ پر ظلم وستم ڈھانے کے لیے اکسایا۔ انھوں نے آپؐ کو گالیاں دیں۔ آوازے کسے اور اتنے پتھر برسائے کہ آپؐ لہولہان ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ پتھروں سے آپؐ کو بچانے کی کوشش کی لیکن خود زخمی ہو گئے۔

شام کا وقت ہوا تو بدمعاش واپس لوٹ گئے۔ آپؐ ایک انگور کے باغ تک پہنچے، باغ کا مالک مکہ کا رئیس ربیعہ تھا۔ اس کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ باغ میں موجود تھے۔ دونوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زخمی حالت دیکھ کر ترس آیا۔ یہ موقع شدید تھکن، غم اور رنج کا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ آپؐ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

''خداوندا! میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو سارے کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے حوالے جس کو تو نے مجھ پر قابو پالینے کا یارا دے دیا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں۔ مگر تیری طرف سے مجھے عافیت نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی، جو اندھیرے میں اجالا کرتا اور دنیا اور آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری مرضی پر راضی رہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔''

(سیرت رسول۔ دروس اور نصائح، ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی ص ۱۸۸)

عتبہ اور شیبہ نے از راہ ہمدردی اپنے غلام عداس کے ذریعہ انگوروں کا ایک خوشہ طبق میں رکھ کر بھجوایا۔ طائف کے اس دعوتی سفر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بستی والوں کے دردناک سلوک کا اہم پہلو یہ تھا کہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہوا اور ان ظالموں سے انتقام لینے کے لیے آپؐ سے اجازت طلب کی۔ اس کی تفصیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے جو بخاری اور مسلم میں نقل کی گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ پر کوئی ایسا وقت بھی آیا ہے جو معرکۂ احد سے زیادہ سخت ہو؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے تمہاری قوم سے بارہا تکالیف پہنچی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ سخت وقت میرے لیے یوم العقبہ (طائف) کا تھا۔ جب میں ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے پاس گیا اور اس کے سامنے اپنی دعوت پیش کی، مگر اس نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں غم زدہ حالت میں جدھر منہ اٹھا ادھر چل پڑا۔ قرن الثعالب پہنچ کر مجھے ہوش آیا۔ نگاہ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک ابر میرے اوپر سایہ کیے ہوئے تھا۔ پھر دیکھا کہ اس میں جبرئیل ہیں۔ انھوں نے پکار کر مجھ سے کہا کہ اللہ عزوجل نے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کہا ہے اور جو کچھ آپ کی دعوت کا جواب دیا ہے۔ یہ پہاڑوں کا فرشتہ اس نے بھیجا ہے، تاکہ آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ پھر پہاڑوں کے فرشتے نے پکار کر مجھے سلام کیا، اس کے بعد مجھ سے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے آپ کی دعوت پر آپ کی

قوم کا جواب سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ آپ جو حکم چاہے دیں۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپ چاہیں تو میں دونوں طرف کے پہاڑوں کو ملا کر انھیں پیس دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے جواب فرمایا: نہیں، میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تو قرآن نازل ہوا ہے۔ کیا میں آپ کو قرآن سناؤں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، میرا جی قرآن سننے کو چاہتا ہے۔ چنانچہ میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا ''کیا سماں ہوگا وہ جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے؟'' تو آپؐ نے فرمایا: بس کرو۔ میں نے جو آپ کی طرف نگاہ اٹھائی تو آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔ (بخاری و مسلم)

ایک بار مدینہ کی سرحد پر ایک قافلہ باہر سے آیا ہوا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ کی طبیعت خراب تھی اور باہر نکلنے کی ہمت بھی نہ ہو رہی تھی، اسی حالت میں ان تک پہنچ کر دعوت پیش کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کو منع کیا گیا اور آرام کرنے کو کہا گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر وہ قافلہ یہاں سے چلا گیا یا میری موت آگئی تو پھر دعوت ان تک کون پہنچائے گا۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اندر دعوت کا بے پناہ جذبہ اور تڑپ پائی جاتی تھی۔

صحابہ کرامؓ کا جذبۂ دعوت

قرآن کی تعلیمات، رسول اکرم ﷺ کے ارشادات اور اسوۂ رسول ﷺ کی رہ نمائی میں صحابہ کرامؓ گہرا شعور رکھتے تھے کہ ایمان لانے کے بعد ان کی ذمہ داری اپنی ذات اور اہل و عیال تک محدود نہیں ہے، بلکہ اسلام سے محروم اور بھٹکی ہوئی انسانیت تک اسلام کی دعوت پیش کرنا اور انھیں جہنم کی آگ سے بچانا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ دعوت ان کی زندگیوں کا مشن تھا۔ اس کے لیے ان کے اندر الگ سے کسی کمیٹی، انجمن، ادارے یا تنظیم کی ضرورت نہیں تھی۔ دعوت دین کا جذبہ ان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا تھا جیسے خون انسان کی رگوں میں دوڑتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کے بعد ان کی مبارک زندگیوں میں دعوت دین، جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت، جان و مال کی قربانیوں کو نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ دعوت اور جہاد کے ذریعہ وہ اللہ کے بندوں کو ظالمانہ اور استحصالی نظاموں سے بچانے اور اخروی زندگی میں عذاب جہنم سے بچانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

صحابہ کرامؓ نے تجارت، زراعت، مختلف صنعت و حرفت اور پیشوں کو اختیار کیا تھا، لیکن اپنی داعیانہ حیثیت اور فریضۂ دعوت کی ادائیگی سے وہ کبھی غافل نہیں رہے۔ ان پر ہمیشہ یہی دھن سوار رہتی تھی کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی خالص اور کامل بندگی کی راہ پر کیسے چلائیں؟ ان کی پاکیزہ زندگیاں اسلام کا عملی نمونہ تھیں۔ روزمرہ کی زندگی میں وہ اسلام پر عمل پیرا تھے اور فطری انداز

میں ان کی زندگیاں لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچتی تھیں۔ فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے بغیر وہ اپنے ایمان کو نامکمل سمجھتے تھے۔

ان کی دعوتی جدوجہد کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ دعوت کے ذریعے وہ غلبۂ دین اور اسلامی نظام کے برپا ہونے کا واضح تصور رکھتے تھے۔ ان کی دعوتی جدوجہد میں جہاں انسانوں کو اللہ کی بندگی کے دائرے میں لانا اور انھیں جھوٹی اور خود ساختہ بندگیوں سے نجات دلانا شامل تھا۔ وہیں اسلام کے نظام کو قائم کرنا بھی تھا۔ ان کی دعوتی جدوجہد عرب سامراجیت یا کسی قومیت اور شہنشاہیت کے لیے نہیں تھی، وہ تو اسلام کے عالم گیر اور آفاقی پیغام کے داعی اور علم بردار اور عالمی اسلامی برادری کے اولین قائد تھے۔ ان کا آخری ہدف حاکمیت الٰہ کی بنیاد پر اسلامی نظام (اقامت دین) برپا کرنا تھا۔

یہی وہ جذبۂ دعوت تھا کہ جس نے اسلام کو عرب سے باہر نکالا اور محض پندرہ بیس برسوں میں براعظم افریقہ، یورپ اور ایشیا کے مختلف ممالک میں اسلام پھیلتا چلا گیا۔ اسی مشن کے تحت پچیس صحابہ کرامؓ اور اسی (۸۰) تابعین بھارت تشریف لائے تھے۔ حالاں کہ یہاں جن آبادیوں میں انھوں نے اسلام کی دعوت پیش فرمائی، وہ ان کے لیے اجنبی تھیں۔ ان کی زبان اجنبی اور تہذیب وثقافت مشرکانہ تھی۔

صحابہ کرامؓ کے اندر فریضۂ دعوت کی ادائیگی اور بندوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کا بے پناہ جذبہ تھا۔ انھوں نے دعوت اور جہاد کے راستے پر چل کر بہت بڑی قربانیاں دیں جن کا ہم آج تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ مکہ اور مدینہ جیسے مقدس اور بابرکت مقامات سے دنیا کے دور دراز ممالک میں گئے۔ پھر دوبارہ اپنے وطن واپس جانا نصیب نہیں ہوا۔ دعوت اور جہاد کی راہ پر چلتے ہوئے دنیا سے گزر گئے۔ ان کی بے مثال قربانیوں اور عظیم دعوتی کوششوں کے نتیجے میں توحید اور دین اسلام کے نور سے کفر وشرک اور الحاد کی گھٹاٹوپ ظلمتیں مٹ گئیں۔

صحابہ کرام اور صحابیات کی مبارک اور پاکیزہ زندگیوں کے بارے میں بہت سی تفصیلات ہمیں سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ لیکن ان کی دعوتی سرگرمیاں ان کی ایثار اور

قربانیاں اور دعوت کے جواب میں مدعو قوموں کا طرز عمل کیا تھا؟ اس کی زیادہ تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ اس موضوع پر جتنا تحقیقی کام بھی کیا جاچکا ہے وہ قابل قدر ضرور ہے، مگر نا کافی ہے۔ چند صحابہ کرام اور صحابیات کے دعوتی واقعات درج ذیل ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی قبول اسلام سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی تھی۔ نبوت کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد انھوں نے آپؐ سے ملاقات کی اور اسلام کے بارے میں جاننا چاہا۔ آپؐ نے ان کے سامنے اسلام کے پیغام کو پیش فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت اتنی پاکیزہ اور صالح فطرت کی حامل تھی کہ انھوں نے اسلام قبول کرنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہونے دی۔ ان کے قبول اسلام سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد خوشی ہوئی۔ قبول اسلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دوستوں میں دعوت اور تبلیغ اسلام کا کام شروع فرمادیا۔ پہلے دن چار دوستوں نے اسلام قبول کیا۔ دوسرے روز پانچ دوستوں نے اسلام قبول کیا۔ صرف دو دنوں میں ان کے نو دوستوں نے اسلام قبول کیا۔ ان میں سے چھ صحابہ کرامؓ آگے چل کر عشرۂ مبشرہ میں شامل کیے گئے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عثمان بن عفانؓ (۴) حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ
(۲) حضرت زبیر بن عوامؓ (۵) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
(۳) حصرت عبدالرحمن بن عوفؓ (۶) حضرت ابوعبیدۃ بن الجراحؓ

ظاہر ہے، دعوت کا یہ سلسلہ صرف دو دنوں کے لیے نہیں تھا، بلکہ انھوں نے دعوت کا کام برابر جاری رکھا۔ اپنے ماں باپ کے قبول اسلام کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی اور خود بھی کوشش جاری رکھی۔ یہاں تک کہ ان کے والدین نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت طفیل بن عمر الدوسیؓ مشہور شاعر تھے، مکہ میں ان کے قبول اسلام کا واقعہ نہایت ایمان افروز ہے، لیکن خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قبیلے میں دعوت کو پیش فرمایا چنانچہ ان کی کوششوں سے پورے قبیلے نے اسلام قبول کرلیا۔

مکہ ہی میں حضرت ضماد بن ثعلبہؓ نے اسلام قبول کیا۔ وہ اپنے قبیلہ کے رئیس تھے،

قبول اسلام کے ساتھ ہی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے پورے قبیلے کی طرف سے بیعت کرلو، چنانچہ انھوں نے پورے قبیلے کی طرف سے بیعت کرلی اور اپنے قبیلے میں مسلسل دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

حضرت ابوذرؓ نے مکہ میں اسلام قبول کرلیا۔ پھر وہاں سے واپس جاکر اپنے قبیلے بنوغفار کو دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہوگیا، اور باقی افراد نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائیں گے تو اسلام کا اظہار کریں گے۔ چنانچہ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو باقی قبیلہ بھی مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

مکہ سے پہلے ہجرت حبشہ کے موقع پر شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی اور اس کے درباریوں کے سامنے اسلام کی دعوت کو بے حد موثر اور نہایت جامع انداز میں پیش فرمایا۔ جاہلیت کی زندگی کی خرابیوں کو بتاتے ہوئے اسلام کے عقائد، اصلاحی اور اخلاقی تعلیمات اور اسلامی احکام کو اس انداز سے پیش فرمایا کہ سب متاثر ہوئے اور نجاشی نے قرآن سننے کی خواہش کی۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کے ابتدائی حصے کی تلاوت فرمائی۔ قرآن سن کر شاہ نجاشی بے حد متاثر ہوا حتیٰ کہ اس کے اسلام قبول کرنے کی روایت بھی ملتی ہے۔

ہجرت سے قبل حضرت مصعب بن عمیرؓ کو داعی اسلام بنا کر رسول اکرم ﷺ نے مدینہ روانہ کیا۔ انھیں وہاں زبردست کامیابی ملی۔ اوس اور خزرج دونوں قبائل کے سرداروں اور اہم شخصیتوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد تقریباً سبھی خاندانوں نے اسلام قبول کیا۔

دعوت کی تڑپ اس دور میں صرف مردوں میں ہی نہیں، بلکہ خواتین میں بھی پائی جاتی تھی۔ دعوت کے بالکل ابتدائی دور میں حضرت خدیجہؓ کا کردار بہت اہم اور ایمان افروز تھا۔ وہ رسول اکرم ﷺ کی دعوت اور تبلیغ کے کاموں میں تعاون فرماتی تھیں۔ انھوں نے اپنی جان، مال، کاروبار سب کچھ دعوت دین کے لیے نچھاور کردیا۔ ان کی قربانیاں اتنی زیادہ تھیں کہ محمد ﷺ اپنی پوری زندگی میں ان کو ہمیشہ یاد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ کا دعوتی واقعہ بھی بہت ایمان افروز ہے۔ یہ حضرت انسؓ کی ماں اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتے میں خالہ تھیں۔ انھوں نے مدینہ میں اسلام قبول کیا، ان کے شوہر مالک بن نذر کافر تھے۔ اسی بنا پر بیوی سے کشیدگی رہتی تھی۔ ام سلیم نے اپنے اکلوتے بچے انسؓ کو کلمہ پڑھایا اور اسلام سکھایا۔ اس بات پر شوہر ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ حضرت ام سلیمؓ کو کئی لوگوں نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ ان میں سے ایک ابوطلحہؓ بھی تھے۔ وہ بت پرست تھے۔ حضرت ام سلیم کو ایک مشرک کے بعد دوسرے مشرک کے ساتھ نکاح گوارا نہیں تھا۔ انھوں نے بڑے درد اور دل نشیں انداز میں ابوطلحہ کو اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ میں تو خدائے واحد اور سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہوں۔ افسوس ہے تم پر کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے۔ یعنی لکڑی کا بت جو زمین سے اگا ہے اور اس کو فلاں حبشی نے گھڑ کر تیار کیا ہے۔ بت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ بھلا میرا تمہارا میل کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بات کچھ اس جذبے سے کہی گئی تھی کہ ابوطلحہ سن کر لوٹ گئے اور غور کرنے کے بعد واپس آ کر بتایا کہ میں تمہارا دین قبول کرتا ہوں۔

دعوت اور خدمت خلق

دعوت اور خدمت خلق میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اسلام اس دنیا میں بھی انسانوں کے مسائل کو حل کرتا ہے اور ان کو امن وسلامتی، سکون، راحت بخش اور خوش حال زندگی کی ضمانت دیتا ہے، اس کے علاوہ اخروی زندگی میں ابدی رنج ومصیبت یعنی جہنم کے عذاب سے نجات کو یقینی بناتا ہے۔

دعوت ایک طرف تو بندہ کا خدا سے تعلق جوڑتی ہے، دوسری طرف انسانوں کو آپس میں بھی جوڑتی ہے، پھر تمام انسانوں کو ایک خدا سے جوڑتی ہے۔ اس دعوت کی اہم تعلیم خدا سے گہری محبت اور مضبوط تعلق کے ساتھ ساتھ بندوں سے محبت اور خیر خواہی، ان کی بے لوث خدمت اور رحم و کرم کا سلوک کرنا ہے۔ یہ دعوت کے بنیادی تقاضے ہیں۔ بندوں کی خدمت اور حسن سلوک کے معاملے میں مذہب، زبان اور رنگ ونسل کی بنیاد پر امتیاز برتنا دعوت کو ہرگز گوارا نہیں ہے۔

پہلی وحی جب رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ گھبرائے ہوئے گھر پہنچے، اپنی رفیق حیات حضرت خدیجہؓ سے سارا ماجرا سنایا اور کہنے لگے: مجھے چادر اڑھاؤ۔ جب آپؐ کی گھبراہٹ کچھ دور ہوئی۔ حضرت خدیجہؓ کو معلوم ہوا کہ آپؐ اپنے بارے میں خوف میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ''بہ خدا اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کم زور اور مفلسوں کے کام آتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔'' اس واقعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نزول وحی سے پہلے بھی مکہ میں عام انسانوں بالخصوص کم زوروں اور غلاموں کے کام آتے تھے۔

قرآن کی درج ذیل آیات سے بندگان خدا کی بے لوث خدمت کی اہمیت واضح ہوتی ہے:

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ۝ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۝

(الحاقۃ:۳۵-۳۶)

''یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ آج نہ یہاں (جہنم میں) اس کا کوئی یار غم خوار ہے اور نہ زخموں کے دھون کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا ہے جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ (المدثر:۴۲-۴۴)

''جہنم میں جانے والوں سے سوال ہوگا کہ تم کیوں یہاں آ گئے۔ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔''

مکہ میں نبی اکرم ﷺ نے بالکل آغاز میں جو دعوت پیش فرمائی اس کے نکات درج ذیل تھے:

۱۔ ایک اللہ کی مکمل بندگی

۲۔ شرک سے بچنا

۳۔ صلہ رحمی (رشتوں کو جوڑنا اور ان کے حقوق ادا کرنا)

۴۔ عام انسانوں کی بے لوث خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک

ہجرت کے بعد مدینہ میں نبی اکرم ﷺ نے جو پہلا خطبہ دیا اس میں درج ذیل ہدایات ارشاد فرمائی:

''سلام پھیلاؤ، سلامتی کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو۔ اس کے بعد فرمایا: یہ کر کے تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ'' (ترمذی، ابن ماجہ)

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ تم میں بہترین انسان وہ ہے جو انسانوں کو نفع پہنچائے۔''

(مسند ابویعلیٰ)

ایک حدیث قدسی میں نہایت ہی مؤثر انداز میں بندوں کی خدمت واضح کی گئی ہے۔

''یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا: اے ابن آدم! میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا: اے پروردگار! میں تیری کیسے عیادت کرسکتا ہوں؟ تو سارے جہاں کا پالنہار ہے؟ اللہ تعالیٰ کہے گا: تمہیں معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا، تو اس وقت مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ کہے گا: اے پروردگار! میں تجھے کیسے کھلا سکتا ہوں، جب کہ تو سارے جہاں کا پالنہار ہے؟ اللہ تعالیٰ کہے گا: تمہیں پتہ نہیں، میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا، مگر تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا، اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس وقت مجھے وہاں پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا، تو نے مجھے نہیں پلایا۔ بندہ کہے گا: اے پروردگار! میں تجھے کیسے پلا سکتا ہوں؟ تو سارے جہاں کا پالنہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا، تو نے اسے نہیں پلایا، یاد رکھو، اگر تو اسے پانی پلایا ہوتا تو مجھے اس وقت پاتا۔'' (مسلم)

آج اس ملک کے حالات پر نظر ڈالیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ شرک، مادہ پرستی اور آخرت سے غفلت کے نتیجے میں خود غرضی، مفاد پرستی اور نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ایسے ماحول میں مسلمان دعوت اور انسانوں کی بے لوث خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں تو انشاء اللہ اس کے نتیجے میں وہ خدا کی نصرت اور تائید کی مستحق ہوں گے، بلکہ برادران وطن کی نگاہوں میں ان کی قدر و اہمیت بڑھ جائے گی۔

ایک غیر مسلم دانش ور پروفیسر کانچا الیاہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''مسلمان ملک میں چودہ فیصدی ہیں اور عیسائی برادران ڈھائی فیصدی ہیں لیکن خدمت خلق کے میدان میں ہمیشہ صرف عیسائی برادران کا نام ہی آتا ہے۔ مسلمانوں کا کہیں ذکر بھی نہیں ہوتا۔ حالاں کہ اسلام میں خدمت خلق کی بڑی اہمیت ہے اور کثرت سے اس کی تعلیمات پیش کی گئی ہے۔''

مسلمان اس ملک کے چپے چپے پر برادران وطن کے ساتھ کھچڑی کے دانوں کی طرح کچھ اس انداز میں مل جل کر رہتے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ان کو اسلام کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کی روشنی میں برادران وطن کے ساتھ اب تک کے اپنے رویے اور طرزِ عمل پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔ انھیں پہلے ہی قدم پر کافر اور مشرک قرار دے کر ان کے ساتھ نفرت اور دشمنی کا طرزِ عمل اختیار کرنا سراسر غیر اسلامی ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دوری اور اجنبیت کی مستقل دیوار حائل ہوتی چلی جائے گی۔ اس طرزِ فکر و عمل کے نقصانات برادران وطن اور مسلمان، دونوں کو ہو رہے ہیں۔ اخروی زندگی میں بھی دونوں کا زبردست نقصان ہوگا۔

مسلمان برادران وطن سے انسانی بنیادوں پر تعلقات اور روابط بڑھائیں۔ ہم سایہ ہیں تو حق ہمسائیگی اور دوستی ہے تو دوستی کا حق ادا کریں۔ ان کے ساتھ محبت، تعلق اور خدمت کے بے شمار مواقع ملتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو ان کے سلسلے میں برتیں، عارضی اور ہنگامی مواقع ہوں یا مستقل، آپ کی تعلیمات اور سنتوں پر عمل کریں۔ مثلاً سفر کے دوران وہ کھڑے ہیں تو سیٹ میں گنجائش فراہم کریں۔ گرمی کے موسم میں ان کو پینے کا پانی فراہم کریں۔ بیمار ہوں تو عیادت اور مزاج پرسی کریں۔ دوا علاج کی ضرورت ہو تو انھیں یہ سہولت فراہم کریں۔ خوشی کے موقعوں پر شریک ہوں۔ ان کے مسائل میں دلچسپی لیں اور ان کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مشورے دیں۔ ان کے ساتھ خاندانی سطح پر تعلقات قائم کریں، وغیرہ۔

اس سلسلے میں سیرت نگاروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔ ان میں سے چند واقعات درج ذیل ہیں:

ایک مرتبہ ایک عورت مکہ کی ایک گلی سے گزر رہی تھی۔ اس کے سر پر اتنا بھاری بوجھ تھا کہ وہ بہ مشکل قدم اٹھا سکتی تھی۔ لوگ اس کا تمسخر اڑانے لگے۔ حضورؐ کہیں قریب ہی تھے۔ آپ اس عورت کو مشکل میں دیکھ کر فوراً آگے بڑھے اور اس کا بوجھ اٹھا کر اس کی منزل پر پہنچا دیا۔

ایک دن حضور پرنورؐ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک اندھی عورت ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ لوگ اسے گرتے دیکھ کر ہنسنے لگے، لیکن آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے اس عورت کو اٹھایا اور اس کے گھر پہنچا دیا۔ اس کے بعد حضورؐ روزانہ اس عورت کے گھر کھانا لے جاتے تھے۔

ایک دفعہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ ابوسفیان، جو اس زمانے میں مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، آپ کی خدمت میں آئے اور کہا ''محمد! تم لوگوں کو صلۂ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمہاری قوم ہلاک ہورہی ہے، اپنے خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے''۔ گو مشرکین قریش کی ایذا رسانی اور شرارتیں انسانیت کی حدود کو بھی پھلانگ گئی تھی، لیکن ابوسفیان کی بات سن کر آپ کے دست مبارک فوراً دعا کے لیے اٹھ گئے۔ اپنے محبوب کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اس قدر مینہ برسایا کہ جل تھل ایک ہوگئے اور قحط دور ہوگیا۔

ایک مرتبہ ایک کافر حضور ﷺ کے یہاں مہمان ٹھہرا۔ رات کو سوتے ہوئے اس کے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہوگئی اور بستر ہی میں پاخانہ نکل گیا۔ صبح کو شرمندگی کے باعث حضور ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی اٹھ کر چلا گیا۔ راستے میں یاد آیا کہ جلدی میں تلوار وہیں بھول آیا ہوں۔ تلوار لینے کے لیے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ خود بستر کو دھو رہے ہیں۔ صحابہ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ ہم یہ کام کیے دیتے ہیں، لیکن آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''نہیں نہیں، وہ شخص میرا مہمان تھا اور مجھے ہی یہ کام کرنا چاہیے''۔

حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر اس شخص کے دل سے کفر و شرک کا زنگ دور ہوگیا اور وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

[خیر مجسم۔ رحمت عالم (مقالہ) طالب ہاشمی، شامل در مجموعہ رحمۃ للعالمین، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد]

قرآن اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا نمونہ پیش کرتا ہے:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (التوبہ:۱۲۸)

''لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر انتہائی شاق ہے۔ تمہاری ہدایت کا وہ انتہائی حریص ہے اور مومنوں کے لیے انتہائی شفیق و مہربان ہے۔''

دعوت سے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

دعوت جیسے اہم ترین فریضہ اور اس کی ادائیگی کے تعلق سے قرآن و حدیث کے روشن دلائل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوتی اسوہ کی موجودگی میں مسلمانوں کے اندر مختلف غلط فہمیوں کا پایا جانا نہایت افسوس ناک ہے۔ دعوت دین، جسے کار رسالت اور کار نبوت بھی کہا جاتا ہے، افسوس ہے کہ مسلمانوں کے اندر اس عظیم فریضہ کے سلسلے میں ذہنی اور فکری یکسوئی کے بجائے غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان غلط فہمیوں کو دور کرنا ضروری ہے۔ عبرت کا مقام تو یہ ہے کہ کچھ پڑھے لکھے مسلمانوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ مختلف مذاہب خدا تک پہنچنے کے لیے الگ الگ راستے ہیں۔ کسی ایک مذہب حتی کہ اسلام کو تنہا حق کہنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کچھ حضرات کے نزدیک حضرت عیسیٰ نے عیسائیت اور حضرت موسیٰ نے یہودیت کی بنیاد ڈالی جو کہ آسمانی مذاہب ہیں۔ حالاں کہ خدا کے تمام نبیوں اور پیغمبروں نے اسلام ہی کی دعوت کو پیش فرمایا تھا۔ مختلف زمانوں اور حالات کی بنا پر شریعت میں کچھ فرق پایا جاتا ہے، لیکن دین اور اس کے بنیادی اصول ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں۔ کوئی نبی یا پیغمبر کسی مذہب کے بانی ہرگز نہیں تھے۔ مثلاً یہودیت اور عیسائیت، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے بعد ان کے پیرووں نے خود وضع کر کے بالترتیب ان کی طرف منسوب کر دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری رسول ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ نے دین و شریعت کو مکمل کیا ہے۔ اب رہتی دنیا تک دین اسلام اور پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور ان کی پیروی کے بغیر اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کا حصول ناممکن ہے۔

پہلی غلط فہمی

> دعوت دینے سے پہلے مسلمانوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اصلاح کے کام کو مقدم رکھا جائے۔ اس کے بعد وطنی بھائیوں میں دعوت کا کام کیا جائے۔

یہ خواہش کہ پہلے مسلمانوں کی اصلاح ہو جائے، یقیناً بہت اچھی بات ہے۔ لیکن قرآن وحدیث اور اسوۂ رسول ﷺ سے ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ مسلمانوں کی اصلاح ہونے تک دعوت کے کام کا آغاز نہیں ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کی اصلاح کب تک ہوگی؟ اس کو کوئی نہیں جانتا، کیوں کہ اصلاح کا عمل تا حیات جاری رہنا چاہیے۔

ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ قرآن وسنت اور اسوۂ رسول ﷺ کا بہت بڑا حصہ دعوت ہی سے متعلق ہے۔ ایسی صورت میں دعوت سے غفلت برت کر مسلمان اپنی اصلاح کیسے کر پائیں گے؟ نیز کیا وہ قرآن کے ایک بڑے حصے پر عمل سے محرومی کے مجرم نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اب تک مسلمانوں کی اپنی اصلاح میں ناکامی کے اسباب میں ایک بڑا سبب فریضۂ دعوت کی ادائیگی سے غفلت ہی ہے۔

غرض یہ کہ مسلمانوں کی ہمہ جہت اصلاح کا کام مسلسل جاری رہنا چاہیے، اس کے ساتھ ہی ساتھ وطنی بھائیوں میں دعوت کا کام بھی جاری رکھنا ضروری ہے۔

دوسری غلط فہمی

> دعوت کے کام کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، اگر مسلمانوں کی اصلاح ہو جائے تو ان کی زندگیوں کو دیکھ کر ہی لوگ اسلام قبول کرنے لگیں گے۔

یہ دوسری بڑی غلط فہمی ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ اور مبارک زندگیاں مکہ اور مدینہ میں سب کے سامنے نمایاں تھیں، کتنے بدقسمت اور محروم انسان ایسے گزرے ہیں، جنہوں نے ایسی روشن اور تابناک زندگیوں کو قریب سے دیکھا، لیکن پھر بھی ایمان نہیں لائے،

بلکہ ان عظیم ہستیوں کی جانب سے دعوت بھی پیش کی گئی ،لیکن اس کے باوجود وہ کفر وشرک پر قائم رہے اور اسی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔قابل غور بات یہ بھی ہے کہ دعوت کا فریضہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں پر عائد کردہ ہے ۔کیا اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم نہیں تھی (نعوذ باللہ) کہ دعوت پیش کرنے کے بجائے مسلمانوں کی اصلاح یافتہ زندگی اور نمونہ کی اسلامی زندگی کو دیکھ کر منکرین ومشرکین ایمان لائیں گے ۔لیکن اس کے باوجود اس نے حکم دیا کہ دعوت کو پیش کیا جائے ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝ (حٰمٓ السجدہ:۳۳)

’’اس شخص سے بہتر کس بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں ۔‘‘

دوسری جگہ فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ (النحل:۱۲۵)

’’اللہ کے راستے کی طرف بلاؤ، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور احسن طریقے سے بحث ومباحثہ کے ذریعے ۔‘‘

اگر چہ یہ بات صحیح ہے کہ دعوت جب پیش کی جاتی ہے تو مدعوئین کہتے ہیں کہ اسلام پر چلنے والے لوگ کہاں ہیں؟ نیز مدعوئین یہ بھی کہتے ہیں کہ داعی پہلے مسلمانوں کی اصلاح کرے اور ان کو اسلام پر چلائے ۔مدعوئین کو سمجھایا جا سکتا ہے کہ آخرت کی نجات اور عذاب جہنم سے چھٹکارا پانا ہر فرد کا ذاتی اور انفرادی طور پر سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ ہے ۔کسی دوسرے کے بگاڑ اور خرابی کو دلیل بنا کر حق کا انکار اور حق سے محرومی دراصل خود اپنے آپ کو عذاب جہنم میں مبتلا کرنا ہے ۔اس لیے ہر فرد اس دعوت پر غور کرے، پھر قبول یا انکار کا آخری فیصلہ اپنی ذمہ داری سے کرے ۔

تیسری غلط فہمی

دعوت کا کوئی فائدہ نہیں۔ کفار ومشرکین اسلام قبول نہیں کریں گے۔

یہ ایک عام غلط فہمی ہے کہ دعوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ ملک کے باشندے کافرومشرک ہیں، اللہ تعالیٰ نے آخر جہنم کو بھی پیدا کیا ہے، اس لیے کچھ لوگوں کو جہنم میں تو جلنا ہے۔

اس سلسلے میں غور فرمائیے کہ وطنی بھائیوں اور بہنوں کو دعوت پیش کرنے سے پہلے ہی کافرومشرک قرار دے کر گویا جہنم میں پہنچا دیا گیا ہے۔ ان کو اسلام کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں صحیح جانکاری بالکل نہیں ہے۔ ان کے اندر بے شمار سعید روحیں حق کی تلاش میں ہیں۔ مسلمانوں کا مجموعی طرز عمل اور طرز زندگی اسلامی ہوتا تو بڑی حد تک وہ اسلام سے متعارف ہو سکتے تھے۔ ان میں ہر جگہ صالح اور باکردار افراد موجود ہونے کے باوجود ان کا مجموعی طرز عمل غیر اسلامی رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وطنی بھائیوں کو اسلام کی دعوت دی جائے، ان کی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کیا جائے۔ اس سلسلے میں اب تک جتنی کوششیں ہوئی ہیں وہ نتیجہ خیز اور حوصلہ افزا رہی ہیں۔ اسلام کا تعارف اور اس کی دعوت پیش ہونے کے بعد وہ قبول یا عدم قبول کا جو وہ فیصلہ کریں گے اس کے نتیجے کی ذمہ داری بھی ان ہی پر ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ اس ملک میں قبول اسلام کی راہ میں کوئی حقیقی رکاوٹ نہیں ہے۔ اسلام کا جیسے جیسے تعارف ہوگا انشاء اللہ ویسے ہی قبول حق کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جائے گا۔ ویسے بھی دعوت کا کام ایک ایسا فریضہ ہے جس میں ذرہ برابر ناکامی اور نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ داعی خلوص و للٰہیت کے ساتھ حکمت اور سلیقہ سے داعیانہ درد و سوز کے ساتھ دعوت پیش کرتا رہے۔ وہ ہر حال میں کامیاب ہوگا۔ خواہ مدعو دعوت حق قبول کرے یا انکار کرے یا مخالفت پر اتر آئے۔

چوتھی غلط فہمی

ہندوستان جیسے ملک میں دعوت دینا، مخالفت اور شدید دشمنی کو دعوت دینا ہے۔

یہ غلط فہمی کہ ہندوستان جیسے ملک میں دعوت دینے سے مدعوئین میں مخالفانہ جذبہ اور

فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہوگا، دراصل دعوت اسلامی کی تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ملک میں ماضی سے لے کر آج تک کی تاریخ گواہ ہے کہ دعوت کا ہمیشہ استقبال کیا گیا۔ ماضی میں جب کبھی دعوت پیش کی گئی تو کوئی قابل ذکر مخالفت کبھی نہیں ہوئی۔ آج بھی تجربہ بتاتا ہے کہ دعوت پیش کرنے کے بعد وطنی بھائی داعی کے تئیں، عزت، قدر اور احترام کرتے ہیں اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ انھیں شکایت ہوتی ہے کہ اس پیغام سے اب تک انھیں کیوں محروم رکھا گیا۔

آج ملک میں پائی جانے والی اور وقتاً فوقتاً بھڑکائی جانے والی فرقہ وارانہ کشیدگی، منافرت اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اوپر ظلم وزیادتی اور فرقہ وارانہ فسادات کا علاج دعوت دین ہے۔ دعوت مسلمانوں کے بہت سارے مسائل کا حل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن میں وعدہ ہے کہ وہ داعی (فرد ہو یا جماعت) کی حفاظت فرمائے گا۔

جب تک وطنی بھائیوں کے سامنے دعوت پیش نہیں ہوتی وہ غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کے ماحول میں گھرے ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی دعوت پیش ہوتی ہے، ان کی غلط فہمیاں دور ہونے لگتی ہیں اور شکوک وشبہات کا ماحول ختم ہوجاتا ہے۔ آپس میں خوش گوار تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ برادران وطن کے اندر اسلام، مسلمانوں اور احیائے اسلام کی تحریکات کے تعلق سے پائی جانے والی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا ایک اہم اور قابل غور پہلو بھی ہے۔ وہ اپنی غلط فہمیوں پر اصرار نہیں کرتے۔ ان کے سامنے جب اسلام کا صحیح تعارف پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی غلط معلومات کو ترک کردیتے ہیں۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ خدا پر بھروسہ اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ کر پوری خود اعتمادی سے دعوتی کام کریں۔

پانچویں غلط فہمی

مسلمانوں میں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ دعوت کا مقصد مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کرکے ان کو پھر سے اقتدار حاصل کرنا ہے۔

اس غلط فہمی کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔ دعوت کا مقصد اور محرک صرف اور صرف

رضائے الٰہی کا حصول اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ نیز اس کا مقصد بندوں کو راہ راست پر لانا ہے، تاکہ اس کے نتیجے میں داعی خود بھی جہنم کی آگ سے بچ سکے۔

دعوت کے نتیجے میں رائے عامہ اسلام کے حق میں ہموار ہوتی ہے تو ایک صالح انقلاب پرامن اور تعمیری ذرائع سے آسکتا ہے۔ لیکن حکومت اور اقتدار کے حصول کی خاطر اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے دعوت کا کام نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا کیا جائے تو دعوت کی حرمت مجروح اور اس کا تقدس پامال ہوگا۔ دعوت ہر انسان کی ہمیشہ کامیابی یا ناکامی کا سودا ہے۔ دعوت کے نتیجے میں اسلامی نظام جب بھی برپا ہوگا، وہ تو ہوگا، لیکن انسان موت سے قبل اپنی زندگی میں اسلام قبول کرلے اور اللہ کی بندگی اختیار کرلے تو اللہ کی رحمت سے امید کرسکتا ہے کہ آخرت میں وہ جہنم کی آگ سے بچ سکے گا۔

جذبۂ دعوت پروان چڑھانے کے لیے عملی تدابیر

جذبۂ دعوت پروان چڑھانے کے لیے عملی تدابیر کے سلسلے میں بنیادی مسئلہ مسلمانوں کی ذہن سازی کا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کے اندر شعوری ایمان اور ایمان کے انقلابی تصور اور اس کے تقاضوں کو واضح کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے گہری محبت اور اس سے تعلق، بندوں سے محبت اور ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کی تڑپ ہمہ وقت رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کے اندر اس حقیقت کو بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلام، قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی قومی حیثیت نہیں، بلکہ اسلام سب کے لیے ہے، قرآن سب کے لیے ہے اور پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے ہیں۔ اس طرح یہ عالم گیر اور آفاقی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے ہی قدم پر وطنی بھائیوں کو کافر اور مشرک طے کر کے اپنی طرف سے ان کا ٹھکانہ جہنم نہ بنالیں۔ بلکہ ان کو حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کی بنا پر اپنا بھائی سمجھ کر ان کے سامنے دعوت دین پیش کرنے اور دین حق کی ان پر حجت پوری کرنے کی اپنی منصبی ذمہ داری ادا کریں۔

دعوت کا کام کرتے ہوئے ایک مرحلہ میں داعی کو چاہیے کہ وہ اپنے وطنی بھائیوں پر واضح کرے کہ اسلام ہی موجب فلاح ونجات ہے۔ یعنی ہر فرد اور اجتماعی گروہ کی دنیوی کام یابی، مادی خوش حالی، امن وسلامتی اور عدل وانصاف کا حصول اور اخروی زندگی میں جہنم کے عذاب سے نجات کی ضمانت اسلام اور صرف اسلام ہی دیتا ہے۔ دعوت کو پیش کرتے ہوئے داعی ایک مرحلے میں وطنی بھائیوں کو محبت، حکمت اور داعیانہ درد وسوز کے ساتھ قبول حق کے لیے کہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کے لیے دعا کرے۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلام، قرآن اور

پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک شخصیت اور پاکیزہ تعلیمات ہمارے پاس گویا وطنی بھائیوں کی ایک قیمتی امانت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے، ہمیں جلد سے جلد اپنے قول وعمل اور کردار سے اس امانت کو ان تک پہنچانا ہے۔ امانت میں خیانت بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن دین حق اور قرآن جیسی عظیم امانت وطنی بھائیوں تک پہنچانے میں ٹال مٹول، حیلے بہانے اور غفلت وکوتاہی کے بھیانک انجام کو آج اس دنیا میں مسلمان بھگت رہے ہیں۔ اخروی انجام تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اتباع رسولؐ کے حوالے سے غور کیا جائے تو قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہماری مکمل رہنمائی کرتی ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (یوسف:۱۰۸)

''تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی، اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

معلوم ہوا کہ دعوت کے بغیر اتباع رسولؐ ناقص ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میری امت کے تمام لوگ جنت میں جائیں گے سوائے اس شخص کے جو میرا انکار کرے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ آپؐ کا انکار کرنے والا کون ہے؟ ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت اور پیروی کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری اطاعت نہیں کی وہ میرا انکار کرنے والا ہے۔'' (بخاری)

- جذبہ دعوت کو پروان چڑھانے کے لیے رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کے حصول کی یاد ہمیشہ ذہن قلب میں تازہ رہنی چاہیے۔ دعوت کا یہ بہت طاقتور محرک ہے۔ رضائے الٰہی

اور فلاح آخرت کا راستہ فرائض اسلام: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ دعوت دین کی عملی جدوجہد اور اس راہ میں ایثار وقربانی سے گزرتا ہے۔

- ایک تدبیر یہ ہے کہ روزانہ ترجمہ وتفاسیر کی مدد سے قرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ قرآن ایک پہلو سے دعوت اور تاریخ دعوت کی کتاب ہے۔ انبیاء خصوصاً آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی دعوتی جدوجہد، اس کے مختلف مراحل اور قوموں کی دعوت کے سلسلے میں قبول یا انکار اور عروج وزوال کی روداد تفصیل سے قرآن میں ملتی ہے۔ اسی طرح سیرت رسول ﷺ اور احادیث کا مطالعہ اور سیرت صحابہؓ وتابعینؒ کا دعوتی پہلو سے مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ ان موضوعات پر بہترین کتب مختلف زبانوں میں دست یاب ہیں۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے بھی کافی مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔
- ایک عملی تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ دو تین افراد پر مشتمل وفود بنا کر دعوتی کتابچوں اور فولڈرس کے ساتھ منتخب وطنی بھائیوں کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی جائے۔ اس کے بہت فائدے ہیں۔ اکیلے کام کرنے میں جھجک ہوسکتی ہے۔ وفد میں دو یا دو سے زائد افراد مل کر جانے سے جھجک دور ہوگی۔
- دعوتی تجربات کو خصوصی نشستوں میں بیان کرنا بھی مفید ہے، تاکہ اس کے ذریعے دعوتی جذبے اور حوصلے کو مضبوط بنایا جاسکے۔
- ایک تدبیر مساجد میں کام سے متعلق ہے۔ یعنی مساجد میں دعوت کی اہمیت وضرورت، داعی کے اوصاف، دعوت سے غفلت کے نتائج وغیرہ موضوعات پر درس قرآن، درس حدیث، تقاریر اور خطبات جمعہ کے پروگرام عام مسلمانوں کے لیے رکھے جائیں۔
- انفرادی طور پر برادران وطن کی بے لوث خدمت کرتے ہوئے اندازہ ہوگا کہ ان کی تکالیف اور دکھ درد کا کیا حال ہے۔ دعوت کا کام کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ دنیوی تکالیف، حادثے اور رنج وغم کے مقابلے میں اخروی عذاب کتنا ہولناک ہے۔ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ تیز جہنم کی آگ ہے۔

دعوتِ دین سے اقامتِ دین تک

پچھلے صفحات میں یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ دعوت دین کا حقیقی محرک صرف اور صرف اللہ کی رضا اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچنا ہے۔ البتہ دنیوی زندگی کے اعتبار سے دعوت دین کا آخری مرحلہ اقامتِ دین ہے۔ دعوت اگر مشن ہے تو مسلمانوں کی زندگی کا مقصد (نصب العین) اقامت دین ہے۔ یہ بات قرآن وحدیث اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہمارا ملک کثیر مذاہب، مختلف کلچر، زبان اور نسل کا ملک ہے۔ اسی لیے اس کو تکثیری سماج (Plural Society) کہا جاتا ہے، ایسے ملک میں دعوت کے ذریعہ اقامت دین کے مقصد کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی چودہ فی صدی ہے، جب کہ ۸۶ فی صدی آبادی مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی ہے۔

سب سے پہلے اقامت دین کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس میں دو الفاظ ہیں: دین اور اقامت۔ لفظ دین سے مراد دین اسلام ہے۔ یہ وہی دین ہے جسے اللہ رب العالمین مختلف زمانوں اور ملکوں میں اپنے پیغمبروں اور نبیوں کے ذریعہ بھیجتا رہا ہے۔ اس کے بنیادی عقائد ہیں: توحید، رسالت، آخرت۔ یہ ہر پیغمبر اور نبی کی دعوت کی بنیادی تعلیمات میں شامل رہے ہیں۔ البتہ پیغمبروں کی شریعتوں میں جزوی فرق رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو آخری بار جامع اور کامل ترین صورت میں اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے اوپر نازل فرمایا۔ اب دین صرف عربوں اور مسلمانوں کا نہیں ہے، بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کا دین ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ باقی

آبادی دین سے محروم ہے۔ یہ صورت حال زبردست تقاضا کرتی ہے کہ مسلمان جلد از جلد دین کی دعوت اور تعلیمات کو اپنی عملی زندگی اور قولی شہادت سے ان تک پہنچائیں اور برادران وطن کو پیار اور محبت داعیانہ حکمت، درد و سوز کے ساتھ قبول حق کی دعوت دیں۔

دین کی درج ذیل خصوصیات پر بھی غور کرنے کی ضروری ہے۔

دنیا میں تمام انسانوں کے لیے ایک ہی مستند اور محفوظ ہدایت نامہ اسلام ہے۔

اللہ کے نزدیک قابل قبول مذہب دین اسلام ہے۔ اس نے پندرہ یا بیس یا اس سے زائد مذاہب انسانوں کو عطا نہیں فرمائے۔ آغاز انسانیت سے یہی دین اس کی جانب سے عطا کیا گیا تھا۔ یہ دین ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ یہ صرف عقیدہ، عبادات اور کچھ اخلاقی تعلیمات پر مشتمل نہیں، بلکہ سیاست و معیشت، علم، تہذیب و تمدن غرض کہ تمام شعبہ ہائے حیات کو اپنے دائرے میں لیتا ہے۔

یہ دین انسان کے ظاہر و باطن کے لیے جامع اور اصولی رہ نمائی عطا کرتا ہے، نیز دنیوی مسائل کے حل کے لیے اصولی تعلیمات پیش کرتا ہے۔ یہ دین انسان کی اخروی نجات کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ آج انسانی عقل، تجربات، سائنس اور انسانی مذاہب سب کے سب مسائل کے حل میں ناکام ہو چکے ہیں۔ آئندہ بھی کسی مسئلے کے حل کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا، لیکن تاریخ کا ریکارڈ ہے کہ آج سے چودہ سو پچاس سال پہلے حضرت محمد ﷺ نے عرب سماج میں اسلام کی دعوت کے ذریعہ وہاں کے سنگین مسائل کو حل فرمایا، یہاں تک کہ دور نبوت کے بعد دور خلافت اور اس کے بعد کئی صدیوں تک ایسے مسائل کا سامنا انسانیت کو نہیں کرنا پڑا۔

دین کی تعریف اور خصوصیات کے بعد اقامت کے مفہوم پر غور کیجئے۔ اقامت کا مطلب ہے کھڑا کرنا، اس طور پر کہ اس کے تمام پہلو واضح ہو جائیں۔ دیکھنے والی آنکھوں کو وہ سب نظر آئے۔ معنوی اعتبار سے اقامت کا مفہوم عمل کرنا اور نافذ کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً نماز قائم کرنا۔ اس کا مطلب صرف نماز پڑھنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب ہے پورے نظام صلوٰۃ کو برپا کرنا، مثلاً مساجد کی تعمیر، اذان اور امام و مؤذن کا نظم، باجماعت پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام وغیرہ۔ اقامت دین کا بہترین عملی نمونہ دور نبوت میں اور مثالی نمونہ دور خلافت راشدہ میں ملتا ہے۔

اگر چہ اس کے بہترین اثرات اور ثمرات صدیوں تک مسلمانوں اور غیر مسلموں تک پہنچتے رہے۔

اقامت دین کی فرضیت کے لیے قرآن مجید کی اس آیت پر غور کیجیے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (الشوریٰ: ۱۳)

''خدا نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کی وصیت اس نے نوح کو کی تھی اور جس کی وحی (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ (علیہم السلام) کو دے چکے ہیں۔ اس تاکید کے ساتھ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ مت ڈالو۔''

اس آیت میں پانچ جلیل القدر پیغمبروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ کی دعوت کا تذکرہ قرآن میں تفصیل سے ملتا ہے۔ جس کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ یہ پانچ جلیل القدر پیغمبر گویا انسانی تاریخ کے تمام پیغمبروں اور انبیاء کے نمائندے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے بعد مسلمانوں کی یہ ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ وہ خود اس دین پر قائم رہ کر، دین کو عملاً قائم کرنے کی کوشش کریں۔ یہ مسلمانوں کا مقصد وجود اور فرض منصبی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک موقع پر فرمایا: ''اگر کوئی شخص کسی شخص کی پیروی ہی کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کی پیروی کرنی چاہیے جو وفات پا چکا ہو۔ اس لیے کہ زندہ انسان کے بارے میں یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ وہ فتنے میں مبتلا نہیں ہوگا۔ محمد ﷺ کے وہ اصحاب جو وفات پا چکے، اس امت کے سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والے لوگوں میں سے تھے۔ ان کے دل سب سے زیادہ نیک، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا اور ان کی زندگیاں تکلّف سے خالی تھیں۔ اللہ نے انھیں اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا۔ تو اے لوگو! ان کے فضل و شرف کو پہچانو، ان کے نشان قدم کی پیروی کرو اور حسب استطاعت ان کے اخلاق اور سیرتوں کو مضبوطی سے تھامو، اس لیے کہ وہ ہدایت کے سیدھے رستے پر تھے۔''

(مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک اسوے میں ایک مضبوط دلیل اقامت دین کے تعلق سے محفوظ ہے۔ آپؐ نے مکہ میں دین کی دعوت کا آغاز فرمایا، کچھ لوگوں نے دعوت قبول کر لی اور کچھ لوگوں نے اس کا انکار کیا۔ انکار کرنے والوں نے شدید مخالفت کی۔ آپؐ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد دعوت کے کام کو جاری رکھا، اپنی پیغمبرانہ دعوتی جدوجہد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت پر ہی ختم نہیں فرمایا، بلکہ دعوت قبول کرنے والے اہل ایمان کو جوڑ کر ایک امت کی تشکیل فرمائی۔ اس کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ واصلاح کے ساتھ اسے ایک مضبوط اجتماعیت میں ڈھال کر دعوت دین، جہاد، شہادت اور اقامت دین کے کام پر لگا دیا۔ بالآخر دس سال کے اندر پورے عرب میں دین کو قائم فرما دیا، باطل کا خاتمہ ہو گیا، آپؐ نے کفر وشرک پر مبنی نظام زندگی کو مٹا کر حاکمیت الٰہ کی بنیاد پر اسلامی نظام قائم فرمایا۔ یہ ایک عظیم انقلاب تھا۔ اسلامی انقلاب!

تئیس (۲۳) سالہ مدت میں دعوت دین سے اقامت تک کا سفر طے ہوا۔ یہ عظیم نمونہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کی رہ نمائی کے لیے چھوڑا ہے۔ کیا اس نمونے کی تعریف و توصیف بیان کرتے رہنا ہی کافی ہے۔ محبت رسولؐ کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ محبت کے ساتھ اتباع رسولؐ کے تحت اقامت دین کے لیے اجتماعی جدوجہد کی جائے۔ دعوت کے مشن اور فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی کے لیے مسلمان کمربستہ ہوں، اسی کے لیے جییں اور اسی کے لیے مریں۔ اسی کے لیے متحد ومنظم ہوں اور اسی کے لیے اجتماعیت قائم کریں۔

دعوت دین اور اقامت دین کی جدوجہد ہمارے ملّی اور ملکی مسائل کے کامیاب اور پائیدار حل کی واحد راہ ہے۔ ملک کے سارے باشندوں کے لیے امن وسلامتی، عدل وانصاف، حقوق انسانی کے تحفظ، مساوات اور سماجی انصاف کی یقینی راہ ہے۔ علاوہ ازیں ظلم وزیادتی، قتل ناحق، فساد اور بگاڑ کے خاتمے، کرپشن، استحصال، عورتوں، کم زوروں اور زیردست لوگوں پر مظالم کا خاتمہ دعوت دین سے اقامت دین تک کے سفر میں پوشیدہ ہے۔ افسوس ہے کہ دینی فکر کے زوال، قرآن وحدیث کے صحیح علم سے محرومی اور اسوہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین کی کمی کے نتیجے میں مسلمان آج سینکڑوں سیاسی اور غیر سیاسی، غیر اسلامی جماعتوں، تنظیموں اور اداروں میں اپنی قوتوں، صلاحیتوں اور وسائل کو لگا رہے ہیں، مگر انھیں فائدے بہت کم اور نقصانات بہت زیادہ ہو رہے ہیں۔

غور کیجیے، آپؐ نے عربوں میں سیاسی انتشار دور کرنے کے لیے کوئی سیاسی تحریک نہیں چلائی، عربوں کے اندر اخلاقی اور سماجی بگاڑ کو دور کرنے کے لیے کوئی انجمن یا کمیٹی قائم نہیں فرمائی، تعلیم عام کرنے، ناخواندگی کے خاتمے کے لیے کوئی تعلیمی تحریک برپا نہیں کی۔ اسی طرح اس دور کے سنگین مسائل کے حل کے لیے کوئی کمیٹی یا تنظیم قائم نہیں کی، بلکہ ان سب حالات کو ٹھیک کرنے لیے عقیدۂ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر ایک عظیم تحریک (جسے تحریک اسلامی کہا جاتا ہے) برپا کی اور محض تیئیس (۲۳) سالہ قلیل مدت میں دیکھتے ہی دیکھتے پورے عرب کے حالات بدل گئے۔ آج ہمارے ملک کے حالات چودہ سو سال قبل عرب کے حالات سے بدتر تو نہیں ہیں۔ جن اصولوں اور تعلیمات کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ نے وہ انقلاب برپا کیا، آج ہمارے ملک کے موجودہ حالات میں وہی اصول اور تعلیمات ایک صالح انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان شعوری طور پر اقامت دین کو اپنی زندگی کا مقصد بنا کر انفرادی اور اجتماعی طور پر سرگرم عمل ہوں۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے اس پہلو کی جانب بہت اچھے اور موثر انداز میں رہ نمائی کی ہے:

> ''انسان کی زندگی کا بنیادی شرف یہ ہے کہ وہ ایک بامقصد زندگی ہو۔ بے مقصد زندگی بسر کرنے والا انسان بے انسانیت کا انسان ہے۔ مسلمان اس انسان کا نام ہے جو صرف بامقصد ہی نہیں، بلکہ صحیح مقصد والی زندگی گزارتا ہے۔ اس لیے ایک شخص اگر مسلمان ہے تو یہ اس کا سب سے بڑا اور سب سے مقدم فریضہ ہے کہ وہ اپنے مقصد حیات سے بخوبی واقف ہو، اسے ہمیشہ اپنی نظروں میں رکھے اور پوری عملی زندگی اسی مرکز کے گرد گھماتا رہے۔'' (فریضۂ اقامت دین، ص:۵)

دعوت و تبلیغ

[اسلام کے ماننے والوں کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ غیر مسلم دنیا کے سامنے اس کو اس طرح پیش کریں کہ وہ اس کی صحیح ترین تصویر دیکھ لیں اور ہر پہلو سے اسے اتنا واضح کر دیں کہ وہ وقت کی ایک جانی پہچانی حقیقت بن جائے، تاکہ کوئی شخص محض اس وجہ سے اسلام سے دور نہ رہنے پائے کہ وہ اس سے بے خبر ہے۔ یہ ایک طویل عمل ہے۔ اس کے لیے وہ سب انسان میدانِ کار فراہم کرتے ہیں جو اسلام کو نہیں جانتے۔ ایسے انسانوں کی تلاش کسی کم یاب شے کی تلاش نہیں ہے۔ وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ جس وقت آپ اسلام کی دعوت لے کر اپنے گھر سے نکلیں گے، آپ محسوس کریں گے کہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب ہر طرف آپ کا انتظار ہو رہا ہے اور ایسے انسان قطار در قطار آپ کے روبرو آرہے ہیں جن تک آپ اسلام پہنچانا چاہتے ہیں۔ سوچیے! اتنا بڑا کام کسی اور نظریے کے علم بردار کے پاس بھی ہے؟

دعوت کے اس کام میں آپ کو وقت کے جدید ترین نظریات کا بھی مقابلہ کرنا ہوگا اور قدیم خیالات کا بھی، رسم و رواج کے پرستاروں سے بھی لڑنا ہوگا اور باغیانہ رجحان رکھنے والوں سے بھی، تقلیدِ جامد کا بھی سامنا کرنا ہوگا اور آزاد خیالی اور بے راہ روی کا بھی۔ اس دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی نظریے اور عقیدے کے سہارے جی رہا ہے۔ آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ تمام سہارے کم زور ہیں اور فلاح و نجات صرف خدا کے دین میں ہے۔ اس کام کے لیے آپ کو اسلام کے ساتھ اس کے مخالف افکار کو بھی اچھی طرح سمجھنا ہوگا اور پھر وہ تعبیر ڈھونڈنی ہوگی جس کے ذریعے آپ اسلام کی برتری ثابت کر سکیں۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ الفاظ میں اس کی عظمت شاید نہ بیان ہو سکے۔ دنیا کے ہر کام کے بارے میں انسان سوچ سکتا ہے کہ وہ اس سے جلد فارغ ہو جائے گا، لیکن اس میدان میں بڑی سے بڑی کام یابی کے بعد بھی انسان کو یہی نظر آتا ہے کہ اس نے جو کچھ پایا ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہے جو ابھی اسے حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ اگر کسی باصلاحیت انسان کو طویل ترین زندگی ملے اور وہ اپنی آخری سانس تک اسے انجام دیتا رہے تب بھی حقیقت یہ ہے کہ وہ اسے ختم نہیں کر سکتا۔]

(اسلام کی دعوت، مولانا سید جلال الدین عمری، ص: ۶۵، ۶۶)